مرتبہ
بقیۃ السلف حضرت مولانا **محمد عبدالمعبود** دامت برکاتہم

تلمیذ رشید، رفیق کار و معتمد خاص حضرت شیخ القرآن مولانا **غلام اللہ خان** رحمۃ اللہ علیہ

ومؤلف: سوانح شیخ القرآن

ناشر **ادارۃ التحقیق والتصنیف**

BS/132-A، باغ سرداراں، راولپنڈی

عقیدہ شیخ القرآن

فی الحیات بعد الوفات لسیّد الانس و الجان صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اصحابہ وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا

مرتّبہ

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبد المعبود دامت برکاتہم

تلمیذ رشید، رفیق کار و معتمد خاص حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ

ومؤلف: سوانح شیخ القرآن

ادارۃ التحقیق والتصنیف

BS/132-A، باغ سرداراں، راولپنڈی

اللّٰهم صلّ علی محمد و علی آل محمد عدد خلقک و رضا نفسک و زنة عرشک و مداد کلماتک التی لا تنفد

۲۲ مئی ۲۰۱۲ء

© جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

کتاب کا نام

عقیدہ شیخ القرآن

مرتبہ

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبدالمعبود دامت برکاتہم

اشاعت

۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

صفحات ۸۳ قیمت

اہتمام

وی پرنٹ بک پروڈکشن، راولپنڈی

051-5814796, 0300-5192543

ناشر

ادارۃ التحقیق والتصنیف

BS/132-A، باغ سرداراں، راولپنڈی

قرآن محل 0321 5123698
اقبال مارکیٹ کمیٹی چوک، راولپنڈی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

پیش لفظ

الحمدللہ وکفٰی والصلاۃ والسّلام علٰی سیّد الانبیاء. امابعد:

بندہ نے ۱۹۹۰ء میں جانشین شیخ القرآن حضرت مولانا قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات مرتب کی۔ مبالغہ آرائی، غلط بیانی اور بے سروپا واقعات سے کتاب کو محفوظ رکھا۔ یہ خدمت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اپنے استاذ گرامی کی تابناک زندگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے انجام دی تھی۔ نہ تو کسی سے دنیوی مفاد حاصل کیا اور نہ ہی کسی کی داد وتحسین کا طلب گار تھا۔ ''سوانح شیخ القرآن'' حضرت مولانا قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق ''مکتبہ رشیدیہ''، تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی سے شائع ہوئی۔ ''سوانح شیخ القرآن'' شائع ہوتے ہی ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کے مہربان دوستوں نے مجھے تنقید کے نشانے پر رکھ لیا۔

حضرت مولانا عبدالرحیم ابن حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہما اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مدفیوضہم (حضرو) اور حضرت اقدس مولانا قاضی عصمت اللہ زید مجدہٗ کے سوا کسی نے معاف نہیں کیا۔ مجھ ناچیز کے خلاف اشاعت کی میٹنگوں میں جو کچھ ہوتا رہا، متعدد شہروں میں جلسوں کے دوران خطباء نے جن القابات سے نوازا، متعدد شہروں سے خطوط وصول ہوتے رہے اور بعض کرم فرما دوبدو مجھے کوستے رہے۔ لیکن میں نے کبھی کسی کو جواب نہیں دیا۔

میں ہمیشہ یہ سوچتا تھا، اگر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ہزارہا شاگردوں اور اُن کی عظیم جماعت کے لاتعداد علماء کرام نے انہیں اہمیت نہیں دی اور اُن کی سوانح حیات لکھنے اور مرتب کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اور اللہ جل مجدہٗ نے مجھ سے یہ خدمت لے لی ہے تو یہ اُس کا احسان عظیم ہے، لہٰذا مجھے صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اب جب کہ حضرت شیخ القرآن نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کو بھی تیس سال سے زائد عرصہ

گزر چکا ہے تو اُن ہی کی جماعت کے ایک ذمہ دار عالم مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی مدظلہٗ نے ''موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ'' کی رہنمائی کی آڑ میں روزِ روشن کی طرح عیاں حقائق کو جھٹلاتے ہوئے غلط تاویلات اور من گھڑت دلائل سے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تابناک کردار کو داغ دار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس لیے اصل حقیقت کا اظہار ضروری ہے۔ لیکن کہیں سے بھی اس ضرورت کو پورا کرنے کی صدا نہ آنے پر مجبوراً قلم اٹھانا پڑا۔

اس کے باوجود اگر میرے طرزِ بیان سے کسی بھی صاحب کی دل آزاری ہوئی تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ البتہ بعض جملے جو حضرت مولانا بندیالوی کے ''مستعمل تبرکات'' ہیں، مثلاً انہوں نے ۱۹۶۲ء کے فیصلہ کو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ قرار دینے والوں کو ''ناعاقبت اندیش، بزرجمہرے، کچھ علماء نے دیانت وامانت کا خون کرتے ہوئے، خوفِ خدا سے عاری لوگ، امانت ودیانت کا اگر جنازہ نہیں نکل گیا، اکثر بدنیتی سے'' جیسے القابات سے نوازا۔ مولانا عطاء اللہ بندیالوی سے مجھے نہ ذاتی عناد ہے اور نہ کوئی لین دین کا نزاع ہے۔ چونکہ انہوں نے بہت سی باتیں خلافِ حقیقت بیان کی ہیں، اس لیے ان کی تصحیح ضروری تھی۔

شیخ القرآنؒ سے تعلق

احقر سمجھتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی توضیح احقر پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حق ہے اس لیے کہ راقم الحروف کا پورا خاندان شیخ القرآن نور اللہ مرقدہٗ کی عقیدت سے سرشار ہے۔ میرے والد گرامی قدر کا تعلق حضرت شیخ کی طالب علمی کے زمانہ سے ان کے ساتھ قائم ہے۔ میرے بڑے بھائی مولوی محمد عبد الواحد مرحوم کو حضرت شیخؒ کے ہم مکتب ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی۔ جبکہ راقم آثم کو نہ صرف شرفِ تلمذ حاصل ہے، بلکہ حضرت کی کفش برداری کی سعادت بھی حاصل ہے۔ سالہا سال حضرت کی خدمت کا موقع ملا۔ خلوت جلوت، سفر حضر، نجی مجالس ہوں یا ملکی سطح کی خصوصی مجالس ہوں، یہ خادم ہمہ وقت حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ حضرت شیخ بھی اپنوں سے کہیں زیادہ اس گنہگار پر اعتماد فرماتے تھے۔ اہم سے اہم معاملات اور واقعات سے باخبر رکھتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے اپنے پرانے قلعہ والی مسجد

میں نمازِ جمعہ پڑھانے کا اِرشاد فرمایا جبکہ آپ کے فرزند اَرجمند مولانا قاضی احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ احقر ایک عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ یہ تھی حضرت شیخ القرآن کی خصوصی شفقت اور کامل اعتماد۔

اس تحریر سے میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ ومسلک کی وضاحت ہوگی، بلکہ حضرت کا مجھ گنہگار پر جو حق ہے، وہ بھی پورا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مجھ گنہگار سمیت حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے سب عقیدتمندوں کو صحیح نہج پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط

بندہ بے نوا

محمد عبد المعبود عفی اللہ عنہ

۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ/ ۲۸ رجولائی ۲۰۱۱ء

کتابچہ ''مسلک شیخ القرآنؒ'' کی حقیقت

الحمدللّٰہ وحدہٗ والصلاۃ والسّلام علیٰ من لا نبی بعدہ. امّابعد:

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو دنیا سے وفات کے بعد اپنی ارضی قبور میں اجساد مبارکہ کے ساتھ بتعلق روح حیات حاصل ہے۔ یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلّمہ عقائد میں سے ہے۔ اس اجماعی عقیدہ کے خلاف پاکستان میں ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ نے آواز اُٹھائی۔ اس پر علماء حق نے گرفت کی۔ اختلاف کی یہ صورتِ حال علماء سے نکل کر عوامی سٹیج پر جا پہنچی۔ ۱۹۶۲ء میں جب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پاکستان میں تشریف لائے تو اُن کی کوششوں اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے تعاون سے اشاعت التوحید والسنۃ کے علماء کی حد تک یہ اختلاف ختم ہوگیا۔ اس فیصلے پر سوائے مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحبؒ کے سب نے دستخط کردیے۔[1] مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب نے دستخط نہیں کیے۔ وہ آخر تک اپنے مؤقف پر قائم رہے کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے ارواحِ مبارکہ کو حیات حاصل ہے اور ارواح کا اجساد سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام عند القبر سلام سنتے ہیں۔

مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کی اس رائے کو ان کا تفرد سمجھ کر اشاعت التوحید والسنۃ میں برداشت کیا جاتا رہا، جبکہ غیر اشاعتی علماء نے اس کی سختی سے تردید کی۔ شیخ القرآنؒ کی ہمیشہ کوشش رہی کہ یہ معاملہ مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کی ذاتی تحقیق تک ہی رہے۔ انہوں نے اسے جماعتی مؤقف نہ بننے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں شیخ القرآنؒ کی وفات کے بعد ''اشاعت التوحید والسنۃ'' شاہ صاحب کی پارٹی کے ہاتھوں یرغمال ہوگئی۔ اس پارٹی نے عجیب وغریب انکشافات کا بازار کھول دیا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ نے وقتی طور پر دستخط کردیے تھے، ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔ جو

۱۔ فیصلہ راولپنڈی ۱۹۶۲ء کا متن، ص ۱۲

لوگ ایسی باتیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور المہند علی المفند کے مؤلف عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہنے سے نہیں شرماتے، انہیں شیخ القرآنؒ پر بہتان باندھتے ہوئے کیا احساس ہوگا۔ حال ہی میں مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب کا کتابچہ ''مسلک شیخ القرآن'' اس پارٹی کی ایسی ہی ایک کاوش ہے۔

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب کا کتابچہ ''مسلک شیخ القرآن فی حیات سیّد الانس والجان'' کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن نظر سے گزرا۔ تفصیلات سے آگاہی ہوئی۔ راقم آثم عرصہ دراز سے مہربان دوستوں کی واہی تباہی سنتا رہا، لیکن اس موضوع کو زیرِ بحث لانے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ چونکہ مولانا بندیالوی نے ''حقائق کے انکشاف'' کے پردے میں حقائق کو مسخ کرنے اور حضرت شیخ القرآن نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت کو متنازع بنانے کی مذموم جسارت فرمائی ہے، اس لیے مجبوراً قلم اٹھانا پڑا۔

سب سے پہلے تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت شیخ القرآن نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے تیس سال بعد تک بندیالوی صاحب کیوں خاموش رہے اور ان حقائق کو بیان کیوں نہیں کیا؟ مولانا ارشاد فرمائیں کہ ان کی یہ معنی خیز خاموشی کس بات کی غمازی کرتی ہے؟ وہ کیا وجوہ تھیں کہ مولانا نے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا نہیں فرمایا؟

شاید اتنا طویل زمانہ اس لیے تاخیر فرمائی ہو کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء اور تلامذہ دنیا سے رخصت ہولیں۔ رفقاء اور شاگردوں کا جم غفیر چھٹ جائے اور میدان خالی ہو جائے تو پھر ''بگل'' بجادیا جائے، تاکہ کوئی مدافعت کرنے والا نہ رہے۔

محترما! جن حقائق کے وقوع پر نصف صدی بیت جانے کے بعد آپ کو ان کے افشاء کی فکر دامن گیر ہوئی ہے، ان حقائق کے صدور کے وقت ماشاء اللہ جناب والا تو ''عالم ارواح کی لوریوں سے لطف اندوز'' ہو رہے تھے۔ آپ کیا جانیں کیا عوامل تھے؟ کیا واقع اور کہاں اور کیسے وقوع پذیر ہوا ہے؟ اگر نوجوان علماء کرام کے ذہنی خلفشار کو کافور کرنا آپ کے لیے ناگزیر تھا تو اس قدر تاخیر کیا ''مجرمانہ غفلت'' کے زمرے میں نہیں آتی؟ قوم کے نونہال کجروی کا شکار ہوتے رہے اور آپ ہیں کہ ''خواب خرگوش'' میں محو رہے۔ یاللعجب۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام زید مجدہٗ

آپ نے ایسی شخصیت پر سب سے زیادہ تنقید کے تیرونشتر کی بوچھاڑ کی ہے، جس کی نیک نیتی کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ موصوف کی مخلصانہ جدوجہد، مصالحاتی کوششوں اور علماء دیوبند کے اتفاق واتحاد، ان کی یکجہتی اور یگانگت کا جذبہ صادقہ آپ کو گوارا نہ ہوا۔

یعنی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مدفیوضہم مدیر جامعہ اشاعت الاسلام، حضرو، جو آپ کی جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے رکن رکین اور اکابرین میں سے ہیں، اگر آپ نے انہیں معاف نہیں فرمایا تو بقول آپ کے ''مخالفین'' کے ساتھ آپ کے معاندانہ رویہ کی کیفیت کیسی ہوگی۔ عِلْمُهٗ عِنْدَاللهِ۔

قدرت کا انتقام

آپ نے آں محترم کے خلاف جو طنزیہ انداز اختیار فرمایا، اس کی دل آزار جھلکیاں کچھ ایسی ہیں: ''کیا آپ سے راضی ہو جائیں گے...... آپ کو گلے لگالیں گے...... آپ کے گلے میں پھول ڈالیں گے...... تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر توحید کے گلے پر چھری رکھ کر وسیلے اور توسل کے قائل ہو جائیں گے؟'' جناب والا نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام زید مجدہٗ کی خدمت میں یہ عقیدت کے پھول نچھاور کیے تو پھر قدرت نے آپ سے بھی انتقام لے لیا ہے۔

میرے خیال میں آپ کی ذات والا صفات لائق صد تبریک ہے کہ ''مسلک شیخ القرآن'' لکھ کر جن حقائق کو پردۂ اخفاء سے منصۂ شہود پر آپ لائے ہیں، اس ''عظیم الشان اور ناقابلِ فراموش'' خدمت کے صلے میں آپ کی اپنی ہی جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے ذمہ داران نے آپ کے مبارک گلے پر چھری رکھ کر کتابچہ کے پہلے ایڈیشن کے ٹائٹل نمبر۱، نمبر۲ کے اندر کے صفحات پر مرقوم حقائق متوادیے ہیں۔

بندیالوی صاحب نے اپنے اس کتابچہ ''مسلک شیخ القرآن'' طبع اوّل کے سرورق نمبر۱ کے اندرون مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ کی تقریظ اور اندرون آخر سرورق پر مولانا سجاد بخاری صاحبؒ کا اعلان تصحیح ''جواہر القرآن'' لگایا، اور دوسری اشاعت میں دونوں حصے اڑادیے۔

کیا جناب والا یہ وضاحت فرمائیں گے کہ ٹائٹل کے اندر والے صفحات کی زینت بننے والے حقائق کو کیونکر ''ھباءً منثورا'' کردیا گیا ہے؟ کیا یہ انتقامِ خداوندی نہیں ہے کہ آپ نے ایک

بزرگ شیخ الحدیث کا تمسخر اُڑایا تو قدرت نے آپ سے انتقام لے لیا ہے؟

نوٹ: یہ رائے گرامی "مسلک شیخ القرآن" کے ٹائٹل کے اندر والے صفحہ پر چھپی تھی، جسے بعد میں حذف کر دیا گیا۔ آخر کیوں؟

رائے گرامی

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث تلمیذ شیخ القرآنؒ

حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب دامت برکاتہم

امیر اشاعت التوحید والسنہ پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم.

اما بعد:

میں نے عزیز مکرم مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد عطا اللہ بندیالوی کی کتاب (مسلک شیخ القرآن فی حیاۃ سید الانس والجان ﷺ) کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے مختلف پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر جماعتی احباب خصوصاً نوجوان طبقہ میں حضرت شیخ القرآنؒ کے مسلک کے متعلق جو غلط فہمیاں جنم لے رہی ہیں مولانا نے ان کے ازالہ کے لئے بروقت اقدام کیا ہے۔

حضرت شیخ القرآنؒ کا حقیقتاً یہی مسلک تھا جو مولانا نے واضح کر دیا ہے اور آپ تاحیات اسی مسلک پر قائم رہے۔ یہاں میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خود میں بھی الحمد للہ پورے شرح صدر کے ساتھ اسی مسلک پر قائم ہوں۔

(مولانا قاضی) عصمت اللہ

۲۰-۰۵-۷۰

جناب بندیالوی صاحب کے مایہ ناز کتابچہ "مسلک شیخ القرآن" کے ٹائٹل کے اندر کے صفحہ پر یہ رائے گرامی طبع ہوئی۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ یہ جعلی اور بوگس تحریر تیار کی گئی۔ جھوٹ اور غلط انتساب جناب قاضی صاحب کی طرف کیا گیا۔ اور جب جھوٹ کا یہ پلندہ زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا اور حضرت اقدس قاضی عصمت اللہ صاحب مدفیوضہم کی نظر سے گزرا تو موصوف نے "ڈھول کا پول" کھول دیا اور اس کذب بیانی کو طشت از بام کرتے ہوئے

اسے ملیامیٹ کرنے کا حکم دیا ہوگا۔

قابلِ غور تو یہ بات ہے کہ ایک ایسے بزرگ جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں اور اشاعت التوحید والسنہ کے اکابرین میں سے ہیں، ان پر افتراء کا یہ عالم ہے تو جو بزرگ شخصیات دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، اور جن کے متعلق مولانا بندیالوی اور اُن کے ہمنواء حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ "مردے نہیں سنتے"، کیسے کیسے جھوٹے اور من گھڑت عقائد اُن سے منسوب کیے جاتے ہوں گے، حالانکہ اس تقریظ میں مولانا بندیالوی کے ذکر کردہ جس عقیدہ کی نسبت شیخ القرآنؒ اور مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ کی طرف کی گئی ہے، مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہٗ اشاعت التوحید والسنۃ کے اجلاسوں میں بارہا حلفاً اس کی تردید کرتے ہوئے وضاحت کر چکے ہیں کہ میرے والد مولانا قاضی نور محمدؒ اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں حیات ہیں اور قبر کے قریب پڑھا گیا درود وسلام خود سنتے ہیں۔

نوٹ: مندرجہ ذیل وضاحت "مسلک شیخ القرآن" کے آخری ٹائٹل کے اندر والے صفحہ پر شائع ہوئی تھی، جسے بعد میں کسی نامعلوم وجہ کے باعث نکال دیا گیا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسئلہ سماع موتٰی دور صحابہؓ سے مختلف فیہا چلا آ رہا ہے لیکن احقر راقم کو تفسیر جواہر القرآن (سورۃ روم) اور پھر اقامۃ البرہان، صفحہ ۶۷ میں خود یہی لکھنے کے باوجود ہمیشہ اس میں تامل رہا ہے۔ زمانہ صحابہ میں اس مسئلہ پر اختلافی ہونے کا حکم لگانے کی بنیاد مجھے نہیں مل سکی ایسا معلوم ہوتا ہے جب حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہوا اس وقت ہی اس پر دور صحابہ میں بھی اختلافی ہونے کا حکم لگایا گیا۔

صحابہ میں غالباً حضرت ابن عمرؓ کو سماع موتٰی کا قائل بتایا جاتا ہے اور دلیل یہ ہے کہ وہ قلیب بدر والی حدیث کے راوی ہیں جسے سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سماع موتٰی کا انکار کیا اور اس حدیث کی توجیہ فرمائی مگر اتنی سی بات سے اس مسئلہ کا اختلافی ہونا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث سماع موتٰی پر معرضِ استدلال میں بیان فرمائی تھی۔

یہ حدیث، حدیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے لیکن (دورِ اختلاف سے قبل) کسی بھی محدث نے اس حدیث کو سماعِ موتٰی کے عنوان کے تحت ذکر نہیں کیا بلکہ خود حضرت عمرؓ جو صاحبِ واقعہ ہیں اور حضرت ابن عمرؓ جو اس کے راوی ہیں نے بھی کبھی اس حدیث کو سماعِ موتٰی کے سیاق میں ذکر نہیں کیا اور نہ کہیں اس کو اس مسئلہ پر معرضِ استدلال میں پیش فرمایا بلکہ انہوں نے اس کو محض ایک پیش آمدہ واقعہ کے طور پر ہی ذکر کیا۔ اس لیے اس حدیث کو بیان اور روایت کرنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ یا حضرت ابن عمرؓ کی طرف سماعِ موتٰی کا قول منسوب کرنا اور پھر اس پر دورِ صحابہؓ میں اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قلیب بدر والی حدیث کی توجیہ فرمائی اور اس سے سماعِ موتٰی ثابت کرنے کا راستہ بند کر دیا۔ اگر یہ مسئلہ اس دور میں اختلافی صورت اختیار کر چکا تھا تو قائلین سماعِ موتٰی نے حضرت صدیقہؓ کی توجیہ و تاویل کا کیوں جواب نہ دیا؟ بعد والوں نے تو اتنے ڈھیر سارے جواب سوچ لیے مگر حضرات صحابہؓ کو اس کا کوئی جواب نہ سوجھا۔ صحابہ اکرامؓ کا سکوت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف موجود نہیں تھا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

احقر الوریٰ سجاد بخاری

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

بحوالہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۷، ۲۸، و ارشاد الاصاغر الی مسلک الاکابر صفحہ نمبر ۱۴، ۱۵

مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے ''مسلک شیخ القرآن'' طبع اول میں مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب سے دھوکہ کیا کہ ان سے منسوب جھوٹی تقریظ شائع کی۔ مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب اس طرح کے کاموں میں ہاتھ کی صفائی کے ماہر ہیں۔ اس سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی ایسا سلوک کر چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ عذابِ قبر کے متعلق اہل السنۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قبر سے

مراد زمین کا گڑھا ہی نہیں، بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے۔'' (جواہر الایمان، ص ۶)

مولانا بندیالوی صاحب نے اپنے رسالہ ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، ص ۱۳ پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کی اس عبارت سے لفظ ''ہی'' کو اڑا دیا جس سے عبارت کا مفہوم ہی بدل گیا۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

دیوبندیت

مولانا بندیالوی صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد السلام مدظلہم کو بطور طعن و تشنیع کے مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''خدارا! سوچیے اور جواب دیجیے کہ علاقہ کے خدام اہل سنت صرف اتنا عقیدہ رکھنے پر آپ کو گلے لگا لیں گے، اور آپ کے گلے میں پھول ڈال کر آپ کو ''دیوبندی'' تسلیم کر لیں گے۔''[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بندیالوی صاحب کا تعلق ''دیوبندیت'' سے نہیں ہے، بلکہ ''دیوبندیت'' سے ماوریٰ کسی اور تنظیم یا جماعت سے ہے، اور یہی تاثر ان کے کتابچہ ''مسلک شیخ القرآن'' سے ملتا ہے۔ بندیالوی صاحب نے پوری تحریر میں ''اکابرین دیوبند'' کا بطور قائد یا مشائخ کے ذکر تک نہیں کیا۔ ایک آدھ مقام پر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا نام بھی اپنے مفاد میں تحریر کیا ہے، یا ایک جگہ بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ''ضمناً'' ذکر کیا ہے۔ جہاں بھی ذکر کیا ہے تو جمعیت اشاعت التوحید والسنہ یا اکابرین جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا نام ہی لیا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ''دیوبندیت'' سے دور کا بھی آپ کا واسطہ نہیں۔ آپ کا ملجا و ماویٰ صرف اور صرف اشاعت التوحید والسنہ ہی ہے۔ بانیانِ دیوبند، مشائخ دیوبند اور زعماء دیوبند سے آپ کا علمی، روحانی یا مسلکی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

اگر دیوبندی مسلک سے آپ کا انحراف اور اعراض نہ ہوتا تو کسی مسئلہ میں، کہیں تو ان کا تذکرہ، ان کی آراء اور ان کے افکار و نظریات کا حوالہ دیا ہوتا۔ بہر حال یہ روش آپ کو مبارک ہو۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۱

خسرت فی الدنیا والاخرة.

محترم! آپ دوسروں کی فکر مت کریں اور انہیں سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی زحمت نہ فرمائیں، بلکہ آپ اپنی خیر منائیں۔ جس ''جمعیت اشاعت التوحید والسنہ'' پر آپ نازاں وفرحاں ہیں، اس کا ''تعارف'' آپ ہی کے ہم مسلک، میاں محمد الیاس اس طرح کراتے ہیں:

''اصلاح عقائد کے میدان میں ان لوگوں نے بڑا شاندار کام کیا۔ مگر اصلاح اعمال کی موثر دعوت غالباً ان کے ''شیڈول'' اور پروگرام ہی میں نہ تھی......

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اس عہد کے بہت بڑے عارف باللہ اور مجسم تقویٰ بزرگ تھے۔ علماء اور عوام کی ایک بڑی تعداد ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھی۔ مگر ان کے ہاں بھی تربیت کا نظام موجود نہ تھا۔''[1]

''مولانا حسین علیؒ کے حلقے سے باہر شاید ہی کسی عالم دین نے یا کسی عامی نے اس جماعت سے وابستگی اختیار کی ہو۔''[2]

''یہ تاثر ابھرا کہ یہ محض چند ''ہم مرشد'' واعظوں کا متحدہ پلیٹ فارم ہے جنہوں نے وقتی تقاضوں کے تحت ایک تنظیم تو بنالی مگر جماعت کے طور پر چلا نہ سکے۔''[3]

''جماعت کے بارے میں کچھ نہ ہی کہنا بہتر ہے۔''[4]

جماعت کا دور اوّل ۱۹۵۷ء سے ۱۹۸۰ء تک تئیس سالوں پر محیط ہے۔ اس کے بعد جماعتی عہدیداروں کے لیے کوئی معیار نہ رہا۔ اور یہ سلسلہ چل نکلا کہ ہر بڑے باپ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو ''سجادہ نشین'' بنا لیا گیا۔ جس سے جماعت کے قدیم کارکن اور سرکردہ وجید علماء پس پردہ چلے گئے اور آہستہ آہستہ جماعتی وابستگیوں سے دامن چھڑا بیٹھے۔ اس رجحان نے جماعت کو زبردست نقصان پہنچایا اور اب یہ حال ہوگیا ہے کہ:

ع ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

جمعیت میں مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کی حیثیت دل کی سی تھی۔ ان کی وفات

۱۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۶۱ ۲۔ ایضاً، ص ۲۶۲
۳۔ ایضاً، ص ۲۶۳ ۴۔ ایضاً، ص ۲۶۹

کے بعد چند سال جیتی رہی اور اب گور کنارے پہنچ چکی ہے۔[1]

مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب ایک خاص مشن پر جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کو دیوبندیت سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور نوجوان نسل کی تربیت کے عنوان سے اس فلسفہ کی تشہیر بھی کرتے رہتے ہیں۔ اشاعت التوحید والسنہ میں یہ ذہن عرصہ سے چل رہا ہے۔ چنانچہ اشاعت التوحید والسنہ کے ممدوح اور معتمد مؤرخ جناب میاں محمد الیاس صاحب حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر بھی یہ الزام دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیوبندیت کے ساتھ ان کی وابستگی اور Involvement اس نوعیت کی تھی کہ وہ جمعیت علماء اسلام کو اپنی جماعت پر ترجیح دیتے رہے۔''[2]

مولانا بندیالوی کی طرح مؤرخ اشاعت کا حضرت شیخ القرآنؒ پر یہ محض الزام ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے دیوبندیت اور جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کو کبھی مقابل نہ سمجھا تھا۔ وہ تو اسے ایک ہی شجر کا سایہ قرار دیتے تھے۔

یہ ہے آپ کی جمعیت اور یہ اس کے خدوخال ہیں، جس کو آپ دیوبندیت پر ترجیح دے رہے ہیں۔

سوانح شیخ القرآن کی تدوین

آنجناب نے ''سوانح شیخ القرآن'' کا بڑے کرخت انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ جناب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ جھوٹا پروپیگنڈا تحریر وتقریر کے ذریعہ اس شدومد سے کیا گیا۔ اور ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے ظاہر کو دیکھ کر اور اس کی مکمل حقیقت کو جانے بغیر اس پر اس طرح حاشیے چڑھائے گئے کہ سادہ لوح عوام تو رہے اپنی جگہ، کچھ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ایک عالم نے ''سوانح شیخ القرآن'' کے نام سے کتاب لکھ کر اور ایک معروف خطیب نے ''میرے شیخ القرآن'' کے نام سے ایک کتابچہ تحریر کر کے تاریخ کے

۱۔ ایضاً، ص ۲۶۵
۲۔ ایضاً، ص ۲۶۳

حقائق کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی، اور سو فیصد تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔"[1]

مولانا بندیالوی کی طرح ایسے الزامات واتہامات کی بوچھاڑ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جن اکابر علماء دیوبند سے ہمارا علمی اور روحانی تعلق ہے، ان کی مخلصانہ دینی خدمات پر بھی معاندین ایسی ہی بہتان تراشی کرتے رہے ہیں۔ یہ "سوغات" تو مجھے ورثہ میں ملی ہے۔

لیکن میں یہ تلخ حقیقت عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت اقدس شیخ القرآن برد اللہ مضجعہ کا وصال ۱۹۸۰ء میں ہوا۔ اُس وقت ان کے تین فرزندانِ ارجمند جید عالم بقید حیات تھے۔ اُن کے ہزار ہا شاگرد، جن میں علم و دانش کے سرخیل، ادیب اور قلمکار اور نامی گرامی خطباء بھی تھے اور حضرت اقدس کی جماعت اشاعت التوحید والسنہ جس کے وہ روح رواں تھے، میں صاحب جبہ و دستار مشائخ، مقتدر شخصیات، عالمی شہرت یافتہ خطباء، مفسر قرآن اور شیوخ حدیث، اور ہر فن میں ید طولیٰ رکھنے والے اصحاب فضل و کمال ہوتے ہوئے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ حضرت شیخ القرآن کی ذات والا صفات کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ ان کی بے پناہ علمی خدمات کو فراموش کر دیا گیا۔ ان کی جماعتی اور مسلکی گراں قدر خدمات سے چشم پوشی کر لی گئی۔ اشاعتِ توحید کی خاطر گلا کٹوانے، گولیاں کھانے اور شدائد و مشکلات میں تن من دھن کی بازی لگانے والے شیخ القرآن کے حالات زندگی لکھنے کی کسی کو توفیق نہ ہو سکی۔ ان کے جلیل القدر تلامذہ نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی جماعت نے بزدلی کا ثبوت دیا۔ اور بعض "بزرجمہروں" نے خاموشی میں عافیت سمجھی اور اس ضیغم اسلام، مردِ آہن کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔

جو کام حضرت شیخ کے نامور تلامذہ اور جماعت کے مشاہیر نہ کر سکے، اللہ جل شانہٗ نے ان کے ایک ادنیٰ خادم سے یہ خدمت لے لی۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ.

• ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مجھے بجا طور پر فخر ہے کہ میں نے اپنے شیخ کے افکار ونظریات اور نقوشِ زندگی کو محفوظ کر کے اُن کے نام کو روشن کیا ہے اور مستقبل کا مؤرخ ان بنیادوں پر تاریخ کی پرشکوہ عمارت تعمیر کرے گا۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۸

انشاء اللہ۔ اگر آپ جیسے "ناعاقبت اندیش" خیر خواہ اس خدمت سے چیں بجبیں ہوتے ہیں تو یہ "سعادت" آپ کو مبارک ہو۔

شیخ کے خلف الرشید کی تصویب

احقر نے "سوانح شیخ القرآن" حضرت کے خلف الرشید مولانا قاضی احسان الحق مرحوم کی رہنمائی اور سرپرستی میں مرتب کی ہے۔ کتاب کی تکمیل کے بعد قاضی احسان الحق صاحب کو حرف بہ حرف سنائی ہے۔ اور بحمد اللہ اسے حضرت قاضی صاحب کی تائید اور تصویب حاصل ہے۔

حضرت شیخ القرآن کے افکار و نظریات سے جس قدر اُن کے خلف الرشید حضرت قاضی صاحب واقف اور آگاہ تھے، جناب بندیالوی صاحب نہ آپ اور نہ ہی کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے آپ کی طرح اسے "جھوٹا پروپیگنڈا" قرار نہیں دیا، اور نہ ہی اسے "حقائق مسخ کرنے کی مذموم کوشش" قرار دیا ہے۔ جبکہ یہ سارا معاملہ حضرت شیخ کے وصال کے دس سال بعد ۱۹۹۰ء کا ہے۔

کتاب کی اشاعت اور بے پناہ مقبولیت کے بعد جمعیت اشاعت التوحید کے بعض حضرات کی طرف سے اعتراضات کی صدا بھی سنی گئی۔ اور بالخصوص مولانا محمد فاروق مدنی مرحوم کے الزامات کا پلندہ جمعیت کے اکابر، مولانا قاضی احسان الحق اور راقم الحروف کو بھی وصول ہوا۔ جس پر حضرت قاضی صاحب نے سخت ترین ردِ عمل اور غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب شدید ترین بیماری میں مبتلا تھے، اس لیے فوری طور پر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے دلی جذبات اور مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:

"اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائے تو میں انشاء اللہ اپنے والد گرامی قدر کی سوانح کی رونمائی کی تقریب منعقد کروں گا۔"

لیکن زندگی نے انہیں اس خوشی اور مسرت کے اظہار کا موقع نہ دیا۔ اور وہ یہ ارمان دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.

کتاب "میرے شیخ القرآن"

جناب بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"ایک معروف خطیب نے "میرے شیخ القرآن" کے نام سے ایک کتابچہ تحریر کر

کے تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی اور سو فیصد تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔"[1]

مولانا! آپ نے بڑی حقارت اور تعصب کے ساتھ خطیب پاکستان حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا موصوف ایک مایۂ ناز خطیب، توحید خداوندی کے بے باک اور سربکف مبلغ، شمع ختم نبوت کے پروانے، دیوانے اور مستانے، علوم نبوت کے شیدائی اور فدائی، مسلک دیوبند کے ترجمان، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر تلمیذ، شیخ القرآن کے سٹیج کی زینت، شیخ کی کانفرنسوں کے صدر نشین، شیخ القرآن کے افکار و نظریات کے ترجمان، شیخ کے مشن کے علمبردار اور شیخ القرآن کے عاشق زار تھے۔

محترما! اگر علماء حق کا اکرام و احترام آپ کے مزاج عالی کے خلاف ہے تو یہ ادا آپ کو مبارک ہو۔ آپ جیسے دانشور، اہل علم اور محقق "ہم چوں ما دیگرے نیست" کے دعویدار ہوتے ہیں۔ ان کی نظروں میں باقی سب ہیچ ہیں۔

آپ حضرات کے "قابل اعتماد مؤرخ اور صاحب قلم و قرطاس" میاں الیاس سے ہی خطیب پاکستان کا تعارف دریافت کر لیتے ہیں۔ میاں صاحب لکھتے ہیں:

"خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی (فیصل آباد)

مولانا ضیاء القاسمی شیخ القرآن کے گل سرسبد میں ایک نمایاں پھول تھے، ایک شعلہ بیان خطیب، توحید و سنت کے داعی، شرک و بدعت کے قاطع اور فرق باطلہ کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مولانا ضیاء القاسمی شیخ القرآن کے انتہائی محبوب اور منظور نظر تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے اور یہ بھی شیخ پر جان سے فدا تھے، بلکہ ان کے مزاج میں بے حد دخیل تھے۔

مولانا ایک عظیم خطیب تھے۔ شرک و بدعت، تحفظ ناموس صحابہ اور تحفظ ختم نبوت کے میدان میں انہوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔"[2]

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۸

۲۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۷۹

ایسی عظیم شخصیت کو آپ اس لیے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ انہوں نے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحیح ترجمانی کی ہے۔ سچ ہے:

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم
جرم ہمیں است، عاشق روئے تو گشتہ ایم

حیاتِ شیخ القرآن

الحمد للہ! راقم آثم کی کتاب "سوانح شیخ القرآن" کو بے حد پذیرائی اور قبولیت عام حاصل ہوئی۔ بہت قلیل عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اور دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس وجہ سے بعض لوگ حسد کی آگ میں جل بھن کر کوئلہ بن گئے اور وہ "سوانح شیخ القرآن" کا جواب اور توڑ لکھوانے کا منصوبہ بنانے لگے۔ لیکن حضرت شیخ کے ہزار ہا تلامذہ اور اشاعت التوحید والسنہ جیسی عظیم جماعت میں سے کوئی فرد اس کار کے لیے نہ مل سکا۔ بالآخر ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا گیا جو غیر متشرع ہونے کے ساتھ نہ عالم دین ہے اور نہ ہی شیخ القرآن کے سامنے اُس نے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور نہ ہی اشاعت التوحید کا وہ رکن ہے، جو "میاں محمد الیاس" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

میاں صاحب "حیات شیخ القرآن" کی ابتداء میں "پیش لفظ" کے ضمن میں اپنا تعارف یوں کراتے ہیں:

"میں مولانا کا شاگرد ہوں نہ رفیق کار۔ میرا اور ان کا تعلق اتنا ہی ہے جتنا مقرر اور سامع کا یا امام اور مقتدی کا۔"[1]

"پڑھیے اور سر دُھنیے!" یہ ہے ان حضرات کا قابلِ اعتماد سوانح نگار، جس سے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھوائے گئے۔ اس نے حق سچ بات کہہ دی ہے۔ جس شخص کو نہ شیخ سے شرف تلمذ حاصل ہے، نہ وہ ان کے علوم و معارف سے آشنا، نہ اُن کی مجلس و صحبت سے مستفید و مستفیض ہوا، وہ حضرت شیخ کی نوے سالہ زندگی کے نشیب و فراز کو کیا جانے اور حضرت شیخ کے افکار و نظریات کا اسے کیا ادراک ہو گا؟

مجھے معلوم ہے کہ میری کتاب "سوانح شیخ القرآن" کا توڑ تیار کرنے کے لیے "کالا

۱۔ حیات شیخ القرآن، ص ۹

ڈھن" مال کہاں سے آیا اور کون کونسے "پاکدامن" اس میں ملوث ہیں؟

بہر حال "حیات شیخ القرآن" لکھوائی گئی۔ کمپوزنگ کے مراحل بھی طے ہو گئے۔ لیکن شیخ القرآن کے خلف الرشید قاضی احسان الحق مرحوم کی زندگی میں یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ آج بھی وہ کمپوز شدہ مسودہ محفوظ ہے۔

جو "کالا ڈھن" اس سازش کے لیے آیا تھا، یار لوگوں نے ہضم کر لیا اور ڈکار بھی نہ لی۔

جب وہ "کالا ڈھن" اچھی طرح ہضم ہو گیا تو ایک بار پھر "میخوار" لوگوں نے انگڑائی لی اور میاں صاحب کو دوبارہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے کتاب مرتب کر دی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ احقر کی کتاب "سوانح شیخ القرآن"، جسے بندیالوی صاحب "مذموم حرکت اور حقائق مسخ کرنے" کے القابات سے نواز رہے ہیں، میاں صاحب نے اسی کتاب کو "ماخذ" قرار دے کر اس سے خوشہ چینی کی ہے۔

لیکن یہ بھی ہمارے لیے ایک اعزاز ہے۔ یہ مقولہ مشہور و معروف ہے:

الفضل ما شهدت به الاعداء.

سچ ہے: "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔"

قاسمی معاہدہ کا آنکھوں دیکھا حال

۱۹۵۸ء میں جب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء دیوبند کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، جو رفتہ رفتہ انتہائی شدت اختیار کر گیا، ایک جانب شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ، حضرت مولانا قاضی نور محمد، حضرت مولانا قاضی شمس الدین وغیرہ تھے اور دوسری جانب مولانا خیر محمد جالندھری اور مولانا محمد علی وغیرہ تھے۔

اگرچہ بزرگ علماء کرام نے مصالحت کی بارہا کوشش کی مگر بدقسمتی سے کامیابی نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ پاکستان تشریف لائے۔ فریقین نے اسے نیک فال قرار دیا اور مصالحت کے لیے سرگرم ہو گئے۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تجویز پر دونوں جانب کے علماء کرام نے اپنا مؤقف تحریری طور پر قاری صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت شیخ القرآن، حضرت قاضی نور محمد، حضرت قاضی شمس الدین اور مولانا صدرالدین

اصلاحی، راولپنڈی، دارالعلوم تعلیم القرآن کے کتب خانہ (جہاں اس وقت ایک بڑا کمرہ بنا دیا گیا ہے) میں تشریف فرما ہوئے۔ شیخ القرآن کا یہ خادم (محمد عبدالمعبود) جو اُس وقت کتب خانہ رشیدیہ میں ملازم تھا، بھی ان اکابر کے پاس موجود تھا۔ عبارت تحریر کرنے کے دوران حضرت شیخ القرآن نے فرمایا، اس سلسلہ میں ہمارا ایک فتویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن میں شائع ہوا تھا۔ لیکن یاد نہیں کہ کس ماہ اور کس سن میں وہ چھپا تھا۔

راقم آثم نے عرض کیا، وہ ستمبر ۱۹۵۹ء کا شمارہ ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا، وہ رسالہ لاؤ۔ میں نے ماہنامہ تعلیم القرآن کا مذکورہ شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، جس میں یہ بایں الفاظ فتویٰ شائع ہوا تھا:

"کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عندالقبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سیّد الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔"

مفتی عبدالرشید

۲۷/صفر ۱۳۷۹ھ (۲/ستمبر ۱۹۵۹ء)

الجواب صحیح۔ لاشئی غلام اللہ خان

اس پر مولانا صدرالدین اصلاحی نے کہا، "مولانا! یہ (محمد عبدالمعبود) کس حیثیت سے یہاں بیٹھا ہے؟" حضرت شیخ القرآن نے ارشاد فرمایا، "یہ مولانا لاہوری (شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری) کا مرید ہے۔ اگر اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو بھی ہر ٹکڑے سے آواز آئے گی کہ نبی علیہ السلام زندہ ہیں۔"

مولانا صدرالدین اصلاحی کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

یہ تھا حضرت شیخ القرآن کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤقف اور اس گنہگار پر اعتماد، جس کے متعلق آپ یعنی بندیالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "حقائق کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی۔"

حاشا وکلا میں نے "سوانح شیخ القرآن" میں حقائق کو مسخ نہیں کیا، بلکہ دیانت و امانت اور خوفِ خداوندی کے پیشِ نظر حقائق کو من و عن بیان کیا ہے۔ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ضمن میں ایک جملہ تو کجا ایک لفظ تک بھی میرا ذاتی نہیں ہے، بلکہ حضرت شیخ یا ان کے مفتی اور میرے استاذ حدیث مفتی عبدالرشید یا پھر فریقین کی متفقہ تحریر کے الفاظ ہیں جو بعینہٖ ماہنامہ تعلیم القرآن بابت اگست ۱۹۶۲ء، ص ۲۴، ۲۵، اور خطبات حکیم الاسلام، ج ۸، ص ۴۳۷ میں شائع ہو چکے ہیں۔

میں نے یہ تفصیلات ''سوانح شیخ القرآن'' میں عمداً شامل نہیں کی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ جیسے حضرت شیخ کے خیر خواہ، فدا کار اور جاں نثار وقت گزر جانے کے بعد ''اپنی انا'' کی خاطر ان حقائق کا انکار کر کے نوجوان علماء اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکیں گے۔

ماہنامہ تعلیم القرآن کے مذکورہ بالا شمارے میں شائع شدہ فتویٰ کی روشنی میں حضرت شیخ القرآن، حضرت قاضی نور محمد، حضرت قاضی شمس الدین نور اللہ مرقدہم نے اپنا مؤقف تحریر فرمایا، اور علماء دیوبند میں اتفاق واتحاد اور یگانگت کے عظیم تر جذبہ کے پیش نظر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی خدمت میں پیش فرما دیا، جس کا عکسِ جمیل متفقہ قدر مشترک میں کس خوبصورتی کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔

''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں یہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''[1]

یہ ہیں وہ تلخ حقائق جنہیں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سمیت مقتدر علماء کرام نے صمیم دل سے قبول فرمایا۔ لیکن آپ جیسے ''ناعاقبت اندیش'' حضرت شیخ القرآنؒ کے تابناک کردار کو داغدار کرنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہیں۔

جناب بندیالوی صاحب ''نوجوان طبقہ'' کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی اس کارروائی اور پمفلٹ بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشاعت التوحید والسنت کے موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ اس مخمصے اور پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ حضرت شیخ القرآن ۱۹۶۲ء کے معاہدے پر دستخط کر کے اپنے پہلے مسلک سے رجوع کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع

۱۔ خطبات حکیم الاسلام، ج ۸، ص ۴۴۴

کے قائل ہو گئے تھے۔''[1]

جناب بندیالوی صاحب! ''نوجوان طبقہ'' کو ''مخمصے'' میں نہ ڈالیں اور انہیں یقین دلائیں کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی یہی تھا جیسا کہ مذکورہ بالا فتویٰ مطابق ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور ۱۹۶۲ء کے بعد بھی اسی مسلک پر قائم و دائم تھے۔ نہ تو آپ نے اپنا مسلک تبدیل فرمایا ہے اور نہ ہی کسی کو بے جا ''پریشانی'' میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ ہمیشہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماعت کے قائل تھے اور تادمِ آخر اسی پر قائم رہے۔

تاریخ ساز معاہدہ اشاعت والوں کی نظر میں

۱۹۶۲ء میں ایک متفقہ دستاویز کے ذریعے تاریخ ساز معاہدہ طے پایا، جسے نامی گرامی علماء کرام کی تائید وتوثیق حاصل ہے اور جلیل القدر علماء کرام کے اس پر دستخط ثبت ہیں۔ لیکن بعض حضرات اس کی افادیت کو کم کرنے کی ناکام سعی میں مصروف ہیں۔ بندیالوی صاحب اسے ایک بے وقعت ''تحریر'' قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اپنے کتابچہ میں بار ہا لکھا ہے، ''ایک تحریر''۔ اس فیصلہ کن معاہدہ کے متعلق ان حضرات کی طرف سے تین متضاد آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ مولانا نیلوی صاحب کو اس فیصلہ کو درست ماننے والوں سے رفض کی بو آ رہی ہے۔ مولانا بندیالوی اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں جبکہ میاں الیاس فرماتے ہیں، شیخ القرآن نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ اب تفصیل ملاحظہ ہو:

مثلاً: مولانا محمد حسین شاہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اور جو فیصلہ راولپنڈی میں کیا گیا تھا، اگرچہ اس مجلس میں شامل بڑے بڑے جید علماء نے متفقہ طور پر لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ فیصلہ شرع کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ اس لیے اس فیصلے کا ماننا صحیح نہیں۔

اور اس فیصلے کا انکار کرنے والے کو اہل السنت والجماعت سے خارج قرار دینا اور اس کی اقتداء میں نماز نہ ہونے کا فتویٰ دینا ناقابلِ فہم بات ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس فیصلے کی بنیاد بننے والی روایت کی تحقیق ہو جانے کے بعد بھی اس

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۱

فیصلے کو درست کہنے والوں میں رفض کی بُو آتی ہے۔"[1]

اشاعت التوحید والسنۃ کے مؤرخ میاں محمد الیاس صاحب کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"بعض علماء صلح نامہ راولپنڈی کی عبارت سے استدلال کر کے مولانا کو سماع صلوٰۃ وسلام کے قائلین میں شمار کرتے ہیں۔ جو مولانا سے زیادتی اور ان حضرات کی کور باطنی ہے۔"[2]

یہ فیصلہ اشاعت التوحید والسنہ کی مرکزی قیادت کا ہے کہ اس فیصلے کو "درست کہنے والوں سے رفض کی بو آتی ہے اور وہ کور باطنی کا شکار ہیں"۔ معاذ اللہ! کیا شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا قاضی نور محمد اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہم اللہ سب سے "رفض کی بُو" آرہی ہے اور سب باطن کے اندھے ہیں۔ استغفر اللہ، معاذ اللہ.

تنسیخ معاہدہ کا تاثر

حضرت علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے اپنے کتابچہ میں بڑے طمطراق اور جوش و خروش سے بار بار دعویٰ کیا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں قدرِ مشترک پر مبنی معاہدہ منسوخ ہوگیا ہے، لہٰذا شیخ القرآن نے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور استشفاع میں "یوٹرن" لے لیا ہے اور اپنے سابقہ افکار ونظریات تبدیل کر لیے ہیں۔ یہ غلط تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

"اگر یہ تحریر اور معاہدہ برقرار رہا ہوتا اور منسوخ نہ ہوا ہوتا تو پھر حضرت شیخ القرآن اس معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے حضرت سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری سے الگ ہوجاتے۔" (ص ۱۶)

مزید لکھتے ہیں:

"پھر یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ ۱۹۶۲ء کا یہ فیصلہ منسوخ اور ناقابلِ عمل ہوگیا

۱۔ ماہنامہ گلستانِ اسلام، شوال ۱۴۱۷ھ/ مارچ ۱۹۹۷ء، جلد ۲، شمارہ ۱۰، ص ۱۷-۱۸، بحوالہ احمد سعید ملتانی۔ آغاز وانجام، ص ۱۰۸

۲۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۸۳

تھا۔" (ص ۲۰)

مولانا بندیالوی صاحب نے صغرے کبرے ملا کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ۱۹۶۲ء کا فیصلہ منسوخ اور ناقابلِ عمل ہو چکا ہے اور نہ ہی حضرت شیخ القرآن سماع عند القبر کے قائل رہے ہیں۔

محترما! جو وجوہات اور اسباب آپ نے پیش فرمائے ہیں کہ حضرت شیخ کا سیّد عنایت اللہ شاہ سے الگ نہ ہونا اور اس معاہدہ کا اپنے بیانات میں ذکر نہ کرنا اور اشاعت التوحید کے جلسوں میں شریک ہونا وغیرہ۔

حضرت شیخ کی یہ روش اُن کی رواداری، بھائی چارہ، قدیم جماعتی اور مسلکی وابستگی کی پاسداری کی غمازی کرتی ہے جو اُن کی عالی ظرفی اور حسنِ اخلاق کی تابندہ مثال ہے۔ یہ اقدام نہ تو معاہدہ پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کی منسوخی کا سبب بن سکتا ہے۔

لیکن جناب والا! آپ اپنی پوزیشن واضح فرمائیں کہ آپ کو معاہدہ کی منسوخی کا اختیار کس نے دیا ہے؟ کیا فریقین میں سے کسی ایک نے یہ اختیار آپ کو تفویض کیا ہے کہ مایۂ ناز اور مقتدر علماء ومشائخ کے مابین طے ہونے والا معاہدہ آپ بیک جنبش قلم منسوخ کر دیں۔ یا آپ کی شخصیت اس قدر پاور فل ہے کہ اپنے آپ ہی اس کی منسوخی کا اعلان کر دیں۔

اگر جناب کو ایسا اختیار حاصل نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایک تاریخی متفقہ معاہدہ کو منسوخ قرار دے کر عامۃ الناس کو کیوں دھوکا دے رہے ہیں۔

کیا حضرت شیخ القرآن نے معاہدہ کے اٹھارہ سال بعد تک کبھی اپنی کسی تحریر میں، تقریر میں، دورہ تفسیر کے دوران، خلاصہ تراویح میں یا کسی جلسۂ عام میں اس معاہدہ کی تنسیخ کا اعلان فرمایا ہے، یا اس سے برأت کا اظہار کیا ہے یا اس سے لاتعلقی کا برملا تاثر دیا ہے، اگر ایسی کوئی دستاویز، کوئی ٹھوس ثبوت یا کوئی گواہ ہے تو پیش فرمائیں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

چونکہ یہ معاہدہ زبانی کلامی نہیں بلکہ تحریری دستاویز ہے، جس پر فریقین کے دستخط ثبت ہیں، اگر بقول جناب بندیالوی صاحب کے یہ منسوخ ہوگیا ہے تو تنسیخ کا تحریری ثبوت پیش کریں جس پر حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سمیت فریقین کے دستخط موجود ہوں۔

میاں محمد الیاس کی بڑک

میاں محمد الیاس، جو اس وقت جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے "ہیرو" بنے ہوئے ہیں، وہ اپنی تیسری رائے پیش کرتے ہیں:

"رہا یہ سوال کہ شیخ القرآن نے قاری محمد طیب صاحب کی رقم کردہ تحریر پر دستخط کیوں کر دیے تھے؟ اس کا جواب تو یہی ہے کہ مولانا کے نزدیک یہ مسئلہ عقائدِ ضروریہ میں سے نہ تھا۔ اور انہوں نے "جماعت دیوبند" میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور اسے انتشار سے بچانے کے لیے یہ "اجتہادی قدم" اٹھایا تھا، جس سے انہوں نے رجوع کر لیا۔"[1]

میاں صاحب نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی جسارت کی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت شیخ القرآن کو منصبِ "اجتہاد" پر فائز کیا اور پھر اُن کے نیچے سے "مسند" کھینچ لی ہے۔

اور دوسرا یہ کہ حضرت شیخ نے اس معاہدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

لیکن میاں صاحب حضرت شیخ کے رجوع کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس بے دلیل اور بے بنیاد دعویٰ کی کیا وقعت اور کیا حیثیت ہے۔ سوائے اس کے کہ حضرت شیخ کی ذات کو بدنام کیا جائے اور ایک سے بڑھ کر ایک جھوٹ اُن کے سر تھوپا جائے۔ اللہ کی پناہ!

کیا میاں صاحب یہ وضاحت کریں گے کہ مجتہد کے کیا اوصاف لازمی ہیں اور اجتہاد کے لیے کیا شرائط ضروری ہیں؟

دار العلوم تعلیم القرآن سے جاری ہونے والے فتاویٰ

مولانا! آئیے پہلے آپ کو حضرت شیخ القرآنؒ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ دار العلوم تعلیم القرآن کے دار الافتاء سے جاری ہونے والے فتاویٰ کی سیر کراؤں جن سے اغماض کر کے آپ نے قارئین کو دھوکا دینے اور غلط تاثر دینے کی مذموم حرکت کی ہے۔

(۱)

مفتی عبد الرشید، مفتی دار العلوم تعلیم القرآن ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"کئی اکابر علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء

۱۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۸۳

علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔"

مفتی عبد الرشید

۲۷ ر صفر ۱۳۷۹ھ (۲ ر ستمبر ۱۹۵۹ء)

الجواب صحیح: لاشئ غلام اللہ خان[1]

(۲)

مولانا محمد شفیع، منچن آباد، ضلع بہاولنگر کے سوال کے جواب میں مفتی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:

"ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچایا جاتا ہے اور قبر مبارک پر پڑھنے کے وقت بنفسِ نفیس سنتے ہیں، جیسا کہ کئی روایات میں آیا ہے۔

اور یہی جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فروعی ہے۔ بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے۔ فلہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ دلائل کی بنا پر اگر اس میں کوئی صاحبِ علم اختلاف کرے تو وہ معذور ہے۔"

مفتی عبد الرشید

۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶ ر اکتوبر ۱۹۶۲ء)

شیخ القرآن اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے فیصلے کو مدار بنانا چاہیے۔ اگرچہ ہم اور اکابرین علماء دیوبند سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں، لیکن جو دوام کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی علماء اہل السنّت والجماعت اور علماء دیوبند میں سے ہیں۔"

لاشئ غلام اللہ خان

۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ (۱۶ ر اکتوبر ۱۹۶۲ء)

۱۔ ماہنامہ تعلیم القرآن، ستمبر ۱۹۵۹ء

(۳)

الاستفتاء

حضرت غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ، السّلام علیکم!

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں، وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہوگیا ہے، لہٰذا آپ اپنا عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں، تا کہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔

نیاز مند احقر عبدالقادر خان عباس
احمد پور شرقیہ، سابق ریاست بہاولپور

الجواب وھوالموفق للصواب

کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عندالقبر بذاتِ خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم درود وسلام سنتے ہیں۔ سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن
راجہ بازار، راولپنڈی
۲۲ر صفر ۱۳۹۶ھ (فروری ۱۹۷۶ء)

الجواب صحیح: لاشئی غلام اللہ خان

جواب درست ہے: نا کارہ خلائق غلام ربانی[1]

نوٹ: اس فتویٰ کا عکس خیر الفتاویٰ، ج ۱، ص ۱۸۸ پر مطبوعہ ہے۔

۱۔ ماخوذ: خیر الفتاویٰ، ج ۱، ص ۱۲۷

(۴)

باسمہٖ تعالیٰ: بخدمت محترم حضرت شیخ القرآن صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: معروض ہوں کہ ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب بمقام گگڑہٹہ ضلع ملتان میں تقریریں کر رہا ہے اور وہ خود کو "اشاعت التوحید والسنۃ" کا مرکزی مبلغ ظاہر کرتا ہے جس سے دیوبندی پارٹی میں بڑی نفرت اور کشمکش پیدا ہو رہی ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں مسلک اِن کا ٹھیک ہے اور کئی کہتے ہیں کہ علماء جمہور اس عقیدہ کے خلاف۔ لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ آپ کے فتویٰ پر ایک کمیٹی کی لڑائی جھگڑا ختم ہوتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل سوالوں پر روشنی فرمائیں تا کہ ہماری پارٹی (کمیٹی) مضبوط رہے۔ ہم سارے دیوبندی ہیں اور جمعیت العلماء اسلام، خدام اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں اور کئی آدمی اشاعت التوحید کی جماعت کے ہیں۔

سوال نمبر ۱: جو شخص کشف قبور سیکھے اور سکھلائے یا خود کرے اور اسے جائز سمجھے وہ بالکل کافر ہے، جیسے مرزائی کافر ہیں۔

سوال نمبر ۲: جو شخص نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو روضۃ اطہر میں زندہ باشعور سمجھے یا یہ "عقیدہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم روضۃ اطہر پر حاضری کے وقت خود درود وسلام سنتے ہیں، اس عقیدہ والا بھی کافر ہے۔

سوال نمبر ۳: جو شخص درود وسلام پڑھے بذریعہ فرشتے نہیں پہنچایا جاتا۔

لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے اور اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

جوابی لفافہ ارسال خدمت ہے۔

بقلم خود محمد یوسف سلیم، چک نمبر ۱۱۷ شمالی، فی الحال چک نمبر ۱۴، پٹھانوالی، بھلوال

الجواب واللہ الموفق للصّواب

جواب نمبر ۱: سادات دیوبند کشف قبور کے قائل ہیں حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمہ اللہ اور دیگر علماء دیوبند کی تصریح اِن کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل۔ ہمارا اِس کا انکار صحیح نہیں ہے اور قائل کو کافر کہنا تو بڑی جہالت ہے۔

جواب نمبر۲: روضۂ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔

جواب نمبر۳: یہ بھی جہالت ہے، علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ایسے شخص کی تقریر سننا سخت گناہ ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان مضبوط رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید — مہر مدرسہ

مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن، — ۳رجمادی الاول ۱۳۹۸ھ/

راجہ بازار، راولپنڈی — ۱۱راپریل ۱۹۷۸ء

دورِ اہتمام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

جناب بندیالوی صاحب! حضرت اقدس شیخ القرآن برد اللہ مضجعہ کی یہ تحریر ۱۹۷۸ء کی ہے جو ۱۹۶۲ء والے متفقہ معاہدہ کے سترہ سال بعد، تفسیر "جواہر القرآن" سے سولہ سال بعد اور حضرت شیخ کے وصال سے صرف دو سال پہلے کی آخری تحریر ہے اور آپ ہی کا پیش کردہ اصول یہ ہے:

"جو حضرات ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے آئینے میں حضرت شیخ القرآن کا مسلک متعین کرنے کی غلط فہمی یا ہٹ دھرمی پر مصر ہیں۔ وہ ۱۹۷۶ء کی اس تحریر کو بغور پڑھیں۔ اور ازراہ انابت یہ علمی فیصلہ فرمائیں کہ کسی شخص کی آخری تحریر پہلی تحریر کے لیے ناسخ کا درجہ رکھتی ہے۔" (ص۳۴)

آیئے ذرا انصاف کے تقاضے پورے کریں۔ دوسروں کو اُصول بتانے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ "غلط فہمی یا ہٹ دھرمی پر مصر" آپ ہیں، یا حضرت شیخ کے

مسلک ومشرب کی صحیح ترجمانی کرنے والے ہم خدام ہیں۔

اگر آپ میں حمیت ایمانی یا غیرت کی رمق ہے تو آپ معاہدہ کے سترہ سال بعد والی آخری تحریر کو، جو اُس معاہدہ کی توثیق، تائید اور تصدیق کر رہی ہے، بلاچوں وچراں قبول فرمالیں۔ لیکن جناب والا یہ جرأتِ ایمانی کہاں سے لائیں؟ آپ تو حضرت شیخ القرآن کے تابناک کردار کو داغدار اور مسخ کرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔

حضرت شیخ کی زندگی کی یہ آخری تحریر "اوہامِ باطل کے پرستاروں" کے لیے ایٹم بم کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی دل دوز کڑک سے جناب والا کے "عنکبوتی تاروں" سے تعمیر شدہ اوہام باطلہ وفاسدہ کے محلات دھڑام سے زمین بوس ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔

اگر آپ میں جرأت ہے تو اس فتویٰ کو باطل ثابت کریں، یا پھر حضرت شیخ القرآن کی کوئی صریح اور واضح عبارت پیش کریں، جس میں حضرت نے "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر مبارک سماع کا انکار کیا ہو۔"

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مذکورہ بالا فتاویٰ اس حقیقت کو آشکارا کر رہے ہیں کہ ۱۹۵۹ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک تازیست متواتر اور مسلسل حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سماعت عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، جو رئیس الموحدین، امام المفسرین شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی وابستگی رکھتے تھے، وہ اپنے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

"میں (نصیر الدین غورغشتوی) اور مولانا غلام اللہ خان عقائد میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد "برزخی حیات" کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں

جب درود جہراً پڑھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

اور جناب غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ "تعلیم القرآن" میں یہ لکھا ہے:

اور نبی علیہ السلام اور سب اموات میں حیات برزخی ہے اور نبی علیہ السلام میں سب سے اکمل اور احسن ہے۔ اس واسطے وہ قبر کے پاس درود وسلام سنتے ہیں۔"[1]

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ "مشکوٰۃ المصابیح" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

وَصَحَّ خَبَرٌ. اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِى قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْن. [2]

اور حدیث، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، صحیح ہے۔

حدیث: من صلّى علىّ عند قبرى سمعتهٗ، اى سَمْعًا حَقِيْقِيًا بِلَا وَاسِطَة. [3]

حدیث شریف کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص میری قبر کے قریب درود وسلام پڑھتا ہے، میں اسے سنتا ہوں، کا مطلب ہے کہ بغیر کسی واسطے کے حقیقی طور پر سنتا ہوں۔

شاگردوں کی گواہی

مولانا بندیالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ القرآن کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایک شاگرد اس گواہی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے...... ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔

امانت و دیانت کا اگر جنازہ نہیں نکل گیا تو پھر یہ گواہی اور شہادۃ دینی پڑے گی کہ اس تحریر کے بعد بھی حضرت شیخ القرآن ہمیشہ تقریر وتدریس میں اور دورۂ تفسیر القرآن میں بھی پڑھاتے رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی نہیں بلکہ برزخی ہے۔ اور آپ عند القبر بھی صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے۔" (ص ۱۶، ۱۷)

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ متفقہ معاہدہ کے پچاس سال بعد اور حضرت شیخ القرآن

۱۔ ماہنامہ تعلیم القرآن، ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۵

۲۔ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۱۳۲ ۳۔ بین السطور حاشیہ مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۹۳

کے وصال کے تیس سال بعد مولانا بندیالوی صاحب کو ڈینگیں مارنے کی جرأت ہوئی ہے۔ جبکہ حضرت کے رفقاء کار اور تلامذہ کی اکثریت اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکی ہے۔

تاہم ابھی شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد دنیا میں موجود ہیں، جو اوہام پرستوں، جھوٹ کو فروغ دینے والے "بزرجمہروں" کا ہر چیلنج قبول کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ ہر دھوکا باز کے دجل وفریب کو طشت از بام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جناب بندیالوی صاحب! آپ فرماتے ہیں:

"کوئی ایک شاگرد اس گواہی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے۔"

اگر آپ حضرت شیخ کے شاگردوں کی گواہیاں قبول کر لینے کی یقین دہانی کرائیں اور وثوق کے ساتھ عہد کریں تو آپ کو منہ مانگی گواہیاں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے صحیح، سچی، ٹھوس اور ناقابلِ تردید گواہی سے بھی آپ راہِ فرار کے لیے حیلے حوالے تلاش کریں گے۔

اس کا بیّن ثبوت آپ کے اسی کتابچہ میں موجود ہے، جس میں آپ نے حضرت شیخ القرآن کے ایک جلیل القدر شاگرد مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی پر انہیں "تمغۂ بسالت" کا اعزاز اس طرح پیش فرمایا ہے:

"تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی اور سو فیصد تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔" (ص ۸)

یہ ہے حق وصداقت کے علمبردار گواہوں کے ساتھ آپ کا ایمان سوز رویہ!

لیکن آپ کے ناروا رویہ اور غیر مہذب زبان استعمال کرنے پر بھی ہم دل برداشتہ نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی آپ کی من مانیوں اور اٹھکیلیوں کے لیے میدان خالی چھوڑیں گے۔

میں آپ کا چیلنج قبول کرتا ہوں اور پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ تا حیات عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کے قائل تھے۔

احقر نے متعدد حضرات کی موجودگی میں بارہا حضرت شیخ القرآن کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سماعت عند القبر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔" لیکن صد ہا افسوس کہ آپ نے حضرت کے وصال کے تیس سال بعد یہ چیلنج کرنے کی جسارت کی ہے، جبکہ اس کے اکثر چشم دید گواہ دنیا چھوڑ چکے ہیں۔

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم (حضرو) حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے نہ صرف شاگرد بلکہ رفیق کار اور معتمد خاص بھی ہیں۔

شیخ القرآن کے عقیدہ پر گواہی دیتے ہوئے لکھتے ہیں، ۱۹۶۲ء کا فیصلہ منسوخ نہیں ہوا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، جنہوں نے اپنے گھر بلا کر فیصلہ کروایا، انہوں نے تحریر یا تقریر میں کبھی بھی اس فیصلے سے برأت کا اعلان نہیں کیا۔ یہ فیصلہ پانچ بزرگوں کا تھا اور حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید فرمائی تھی۔ پانچوں بزرگوں کے اس فیصلے کو "مسلک شیخ القرآن" کہہ کر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے، صرف ایک ہشیاری ہے۔

مکتوب بنام حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہٗ

مکتوبہ ۳ رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ / ۵ رجولائی ۲۰۱۱ء

مولانا بندیالوی صاحب کے کہنے پر ہم شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کے نام پیش کیے دیتے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ۱۹۶۲ء پر بطور عقیدہ قائم رہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں بتعلق روح مبارکہ حیات ہیں اور قبر شریف کے قریب پڑھا ہوا درود وسلام خود سنتے ہیں۔

۱۔ مولانا قاضی احسان الحق صاحب رحمہ اللہ، جانشین حضرت شیخ القرآنؒ

۲۔ مولانا ضیاء القاسمیؒ

۳۔ مولانا سیّد شیر علی شاہ صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

۴۔ مولانا محمد صابر صاحب رحمہ اللہ (حضرو)

۵۔ مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہٗ (حضرو)

۶۔ مولانا عبدالمتین صاحب مدظلہٗ (زرتوپہ، حضرو)

۷۔ مولانا حافظ مہر محمد صاحب مدظلہٗ (بن حافظ جی، میانوالی)

۸۔ مولانا سیّد محمد یوسف شاہ صاحب مدظلہٗ (ہارون، حضرو)

۹۔ مولانا عبدالرؤف ربانی صاحب مدظلہٗ (رحیم یار خان)

۱۰۔ راقم الحروف محمد عبدالمعبود عفی عنہ (راولپنڈی)

تلک عشرۃٌ کاملۃ.

تفسیر جواہر القرآن

مولانا عطاء اللہ بندیالوی نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے عقیدے کی وضاحت کے لیے اپنے موقف کے ثبوت میں "تفسیر جواہر القرآن" کو پیش کیا ہے۔ "تفسیر جواہر القرآن" حضرت شیخ القرآنؒ کے حکم سے مولانا سجاد بخاری صاحب نے لکھی ہے۔ "تفسیر جواہر القرآن" شیخ القرآنؒ کے افادات تو ہو سکتے ہیں، شیخ القرآنؒ کی تالیف نہیں کہلا سکتی۔ اس لیے "تفسیر جواہر القرآن" کو حرف بحرف شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر کے ان کے عقیدے کی وضاحت میں اسے پیش نہیں کیا جا سکتا۔

خود حضرت مولانا سیّد ابو احمد سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"آئندہ صفحات میں "تفسیر جواہر القرآن" کے نام سے قرآنی معارف اور تفسیری فوائد کا بیش بہا خزینہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، وہ قدوۃ السالکین، رئیس المفسرین حضرت الشیخ مولانا حسین علی قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے تفسیری نکات پر مشتمل ہے۔ جن کی ترتیب وتدوین کا کام حضرت کے تلمیذ خاص شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے احقر الانام کے ذمہ لگایا اور قدم قدم پر رہنمائی فرماتے رہے۔"[1]

غالباً حضرت سجاد بخاری کی اسی تصریح کے پیشِ نظر حضرت شیخ القرآن کے سوانح نگار میاں محمد الیاس "تفسیر جواہر القرآن" کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ تفسیر درحقیقت مولانا حسین علی کی املائی تفسیر "بلغۃ الحیران" کی تشریح وتسہیل اور نئی ترتیب وتدوین ہے۔ شیخ القرآن اپنے شیخ کے افادت وملفوظات کے راوی ہیں، اور مولانا سیّد سجاد بخاری مرتب ومدوّن۔"[2]

میاں محمد الیاس دوسرے مقام پر یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں:

۱۔ تعارف تفسیر جواہر القرآن، ص ۵ ۲۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۳۳

''مولانا موصوف (شیخ القرآن) نے اپنا سارا تصنیفی اور تحریری کام مولانا سیّد بخاری سے کروایا۔''[1]

ان کتابوں کے اصل مؤلف چونکہ سجاد بخاری صاحب ہیں، اس لیے وہ آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے، اور بقول ان کے خود شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ''تفسیر جواہر القرآن'' سے مطمئن نہ تھے۔[2]

ان شواہد اور حقائق کے برعکس مولانا بندیالوی ''تفسیر جواہر القرآن'' کا ''مرتّب'' حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنی غلط بیانی، دروغ گوئی اور دھوکا دہی کو اس آڑ میں سچا باور کرا سکیں۔ چنانچہ مولانا بندیالوی صاحب ''شیخ القرآن کا مسلک، تفسیر جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان کے آئینے میں'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''آیئے دیکھتے ہیں کہ تفسیر جواہر القرآن کے مختلف مقامات پر آیات قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک ونظریہ کو کس انداز میں بیان فرمایا۔'' (ص ۲۵)

مولانا بندیالوی مزید لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے منشاء کو سمجھنے کے لیے موجودہ دور میں تفسیر جواہر القرآن ایک نادر اور خوبصورت تفسیر ہے..... حضرت شیخ القرآن نے اسے مرتّب فرما کر مسلمانوں پر عموماً اور اشاعت التوحید والسنّت سے متعلق لوگوں پر خصوصاً احسانِ عظیم فرمایا ہے۔'' (ص ۳۰)

محدثین کرام کا یہ متفقہ اصول اور ضابطہ ہے کہ ''جس روایت میں اضطراب'' پایا جائے وہ نہ تو قابلِ قبول ہوتی ہے اور نہ ہی قابلِ استناد ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں جب ''تفسیر جواہر القرآن'' کی حیثیت مشکوک بنا دی گئی اور اس کے ''مرتّب'' کی شخصیت ''مضطرب'' روایات کا نشانہ بن گئی، تو پھر بندیالوی صاحب اس

۱۔ مقدمہ تسہیل بلغۃ الحیران، ص ۵۱۲، مطبوعہ اشاعت اکیڈمی، پشاور

۲۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی، بابت نومبر ۱۹۸۱ء، بحوالہ: ماہنامہ ''نغمہ توحید''، گجرات، جلد نمبر ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۵۶، بابت ربیع الاول ۱۴۱۳ھ/ستمبر ۱۹۹۲ء

کے تفسیری اقتباسات سے اپنا مدعا اور مسلک کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟

بندیالوی صاحب آپ ہی انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ذرا وضاحت فرمائیں کہ جس تفسیر کے مدوّن ''آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے''، اس میں بیان کردہ عقائد اور نظریات کو حضرت شیخ القرآن کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ اور پھر آپ یہ کہنے کی کیسے جرأت کر سکتے ہیں کہ حضرت شیخ ''استشفاع اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں تھے''، تفسیر تو لکھیں سجاد بخاری صاحب اور آپ اس سے عقائد ثابت کریں شیخ القرآنؒ کے۔ کیا یہ حماقت اور کور چشمی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

حاشیہ قرآن مجید

مولانا بندیالوی صاحب نے شیخ القرآنؒ کے عقیدے کے ثبوت میں دوسرا بڑا ماخذ ''حاشیہ قرآن مجید'' پیش کیا ہے، جبکہ ''تفسیر جواہر القرآن'' کی طرح ''حاشیہ قرآن مجید'' بھی مولانا سجاد بخاری صاحب کا مرتبہ ہے۔ ''حاشیہ قرآن مجید'' بھی اگرچہ مولانا سجاد بخاری صاحب نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مرتب کیا، مگر اس کو حرف بحرف عقیدہ جیسے اہم مسئلے میں شیخ القرآنؒ کی طرف سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مولانا بندیالوی صاحب کے ممدوح اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کے معتمد مؤرخ میاں محمد الیاس صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا (شیخ القرآنؒ) کی ہدایت اور نگرانی میں اسے بھی حضرت مولانا سیّد سجاد بخاری نے قلمبند کیا جو ۱۹۷۳ء میں مکمل ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا..... یہ حاشیہ علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہوا۔ اسے ''حاشیہ شیخ القرآن'' کہا جانے لگا۔''[1]

مولانا بندیالوی صاحب کی تحقیقات پر تعجب ہے کہ مولانا سجاد بخاری صاحب کی تحریروں سے شیخ القرآنؒ کا عقیدہ ثابت کر رہے ہیں۔ کیا اسی کو تحقیق کہا جاتا ہے!

اقامۃ البرہان

مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی نے شیخ القرآنؒ کے عقیدہ کی وضاحت میں ''جواہر القرآن'' کے بعد اپنے زعم میں بڑی وزنی دلیل مولانا سجاد بخاری صاحب کی کتاب ''اقامۃ البرہان'' پیش کی ہے، اور لکھا ہے:

۱۔ حیات شیخ القرآن، ص ۲۴۷

''اقامۃ البرہان، حضرت شیخ القرآنؒ کی منشا اور مرضی کے مطابق تحریر کی گئی اور اسے انہوں نے اپنی نگرانی میں شائع فرمایا۔''[1]

مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے اس کے بعد اعادۂ روح اور اعلیٰ علیین میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مستقر پر ''اقامۃ البرہان'' سے چند حوالے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے:

> ''تفسیر جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان ۱۹۶۲ء کے فیصلے اور معاہدے کے بعد کی تحریریں ہیں۔ انہیں ایک بار پھر غور وفکر سے پڑھیں اور ضمیر کو مفتی بنا کر فیصلہ کریں کہ حضرت شیخ القرآنؒ کا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عند القبر کے بارے میں مسلک کیا تھا؟''[2]

ہم مولانا بندیالوی صاحب کو ان ہی کی تحریر کردہ ''دعوت غور وفکر'' دیتے ہوئے گزارش کرتے ہیں کہ آپ نے ''اقامۃ البرہان'' سے اپنی پسند کے حوالہ جات تو پیش کر دیے ہیں مگر مولانا سجاد بخاری صاحب کا حسبِ ذیل مؤقف اسی ''اقامۃ البرہان'' سے پیش کیوں نہیں کیا؟

حضرت مولانا سجاد بخاری صاحب سماع صلوٰۃ والسلام عند القبر الشریف کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''الحمد للہ! ہم حفظِ اجساد کے ساتھ ساتھ جس طرح کتاب وسنت اور ارشاداتِ سلف سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح سماع انبیاء علیہم السلام کے بھی قائل ہیں۔''[3]

مولانا بندیالوی صاحب! آپ مولانا سجاد بخاری صاحب کے تعلق روح، اعادہ روح وغیرہ مباحث میں توجیہات کے تو قائل ہیں، کیا آپ ان کے اس مسلک کو بھی قبول فرمائیں گے کہ سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر ثابت ہے؟

بندیالوی صاحب! کتمانِ حق نہ کریں۔ ''اشاعت التوحید والسنۃ کے موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ'' کو ان حقائق سے بھی آگاہ فرمائیں، ورنہ قیامت کے دن ان کے ہاتھ آپ کے گریباں میں ہوں گے۔ مولانا سجاد بخاری صاحب نے آپ کے دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۳۰
۲۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۳۲
۳۔ اقامۃ البرہان، ص ۲۳۵

ردِ منکرات پر تقریظ

مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے ''مسلک شیخ القرآنؒ'' میں حضرت شیخ القرآنؒ کی تحریرات کے ضمن میں مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کی کتاب ''ردِ منکرات'' پر حضرت شیخ القرآنؒ کی تقریظ کو بھی پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت شیخ القرآنؒ نے اپنا اور اپنے شیخ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ عدم سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر لکھا ہے۔ مماتیوں کے دوسرے دعوؤں کی طرح یہ بھی تحریر بھی محض ان کا دجل ہے۔ اس کتاب میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا منکر لکھا ہے۔ حالانکہ وہ سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ جیسا کہ احقر نے اس کی تفصیل آمدہ صفحات میں پیش کر دی ہے۔

دوسرا، ''ردِ منکرات'' پر سن طباعت ۱۹۸۲ء درج ہے، یعنی حضرت شیخ القرآنؒ کے وصال ۱۹۸۰ء کے بعد اس تقریظ کو شائع کیا گیا ہے، جبکہ جناب بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''حضرت شیخ القرآنؒ کی ۱۹۷۵ء میں تحریر شدہ اس تقریظ پر غور فرمائیں۔''[1]

سات سال تک اس تقریظ کو کس وجہ سے شائع نہیں کیا گیا؟ دوسرا حضرت شیخ کے وصال کے بعد اسے کیوں شائع کیا گیا ہے؟

تیسرا، حضرت شیخ القرآن کے اس تقریظ پر جو دستخط پیش کیے گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری تحریر سے اٹھا کر اس کے ساتھ نتھی کر دیے گئے ہیں۔ اگر یہ تقریظ صحیح ہے تو حضرت شیخ کی اصل تحریر بمعہ دستخط شائع کر دیں تاکہ شبہات ہی نہ رہیں۔

چوتھا، حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پڑھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس تقریظ کا انداز تحریر حضرت شیخ کا نہیں ہے۔

پانچواں، حضرت شیخ القرآنؒ سچے موحد اور پختہ متبع سنت تھے، ہم نے ان کے دور اہتمام اور دستخطوں سے، ۱۹۶۲ء سے پہلے اور ۱۹۶۲ء کے بعد ان کی وفات سے صرف دو سال پہلے ۱۹۷۸ء تک کے فتاویٰ پیش کیے ہیں، جن میں انہوں نے سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنا بلکہ جمہور اہل سنت کا عقیدہ قرار دیا ہے۔ یہ بات عقیدہ کی ہے کوئی مزاح تو نہیں کہ آج کچھ کہہ دیں اور کل کچھ اور کہہ دیں۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۲۱

بندیالوی صاحب! آپ نے شیخ القرآن کی کردار کشی کر کے ان کے تابناک کردار کو متنازع بنانے کی کوشش کی ہے۔

سماع موتیٰ

مسئلہ کی نوعیت و کیفیت سے قطع نظر جناب مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب حضرت شیخ القرآن سے منسوب یہ ارشاد فرماتے ہیں:

''سماع موتیٰ کا عقیدہ شرک کا چور دروازہ ہے۔''

یہ الفاظ حضرت اقدس شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ کے نہیں ہیں، بلکہ یہ الفاظ جناب بندیالوی صاحب کے ہیں اور انہیں حضرت شیخ سے منسوب کر کے بندیالوی صاحب نے زبردست بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔

بندیالوی نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے ''مہلک تابکاری اثرات'' کہاں تک وار کریں گے۔ اگر بقول بندیالوی صاحب کے ''سماع موتیٰ'' کا عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اس کے قائل نہیں تھے۔ نعوذ باللہ۔ بندیالوی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی ''شرک'' کی تہمت لگا دی ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک ''تفسیر جواہر القرآن'' میں مسئلہ سماع موتیٰ کو عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ لکھا گیا ہے۔ لیکن بندیالوی صاحب کے واسطے سے شیخ القرآن کا یہ فتویٰ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جا لگے گا۔ جبکہ صحابہ کرام پر ایسا اتہام ''کفر'' کے زمرے میں آتا ہے۔ بندیالوی صاحب! ذرا ہوش اور عقل و خرد سے بات کریں۔

مولانا حسین علیؒ کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے اپنے کتابچہ کے آخر میں ''ملتان کا تاریخی فیصلہ'' کے عنوان سے ۱۹۸۴ء میں جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا فیصلہ تحریر کیا ہے:

> ''ہمارے شیخ حضرت علامہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن سے تعلق رکھنے والے جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے تمام علماء اور مشائخ کا کتاب وسنت اور ارشاداتِ سلف اور اقوال ائمہ متقدمین حنفیہ کی روشنی میں اپنا مسلک یہ ہے کہ سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں۔''[1]

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۳۹، ۴۰

جناب مولانا صاحب! آپ سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ آپ نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنی جماعت کا مسلک واضح فرمادیا ہے کہ بمعہ حضرت اقدس مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر درود وسلام کی سماعت کے سب منکر ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے حضرت کا مسلک دریافت کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور حضرت کو بھی منکرین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آیئے حضرت قدس سرہٗ کے مسلک کی وضاحت پیش کیے دیتا ہوں۔

امام المفسرین، رئیس الموحدین، سلطان الاولیاء حضرت مولانا شیخ حسین علی قدس سرہٗ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے قائل تھے۔ حضرت اقدس کی اپنی تحریرات اور اُن کے اجلہ تلامذہ اور مریدین کی تصدیقات اس کی واضح دلیل ہیں۔ حضرت اقدس رقمطراز ہیں:

> عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله تعالى عليه و على آله واصحابه وسلّم: من صلى عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته: رواه البيهقي في شعب الايمان.[1]
>
> حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، جو شخص میری قبر کے قریب درود وسلام پڑھے، میں اسے سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔
>
> عن ابی الدرداء قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء، فنبي الله حي يرزق.[2]
>
> بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کے بدن مبارک کو کھائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق دیا جاتا ہے۔

جناب بندیالوی صاحب! اگر آپ کو رئیس الموحدین، امام المفسرین کے افکار و نظریات قبول نہیں اور آپ یقیناً یہ عذر لنگ پیش فرمائیں گے کہ حدیث ''من صلّی علیّ عند قبری سمعتہٗ'' ضعیف ہے، جیسا کہ آپ نے ''اقامۃ البرہان'' کے حوالے سے ''مسلک شیخ القرآن'' کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے:

۱۔ تحریرات حدیث، ص ۵۴۷ ۲۔ تحریرات حدیث، ص ۵۴۸

"اس کی سند میں محمد بن مروان سُدّی صغیر ہے، جو بالاتفاق محدثین کذاب اور وضاع ہے۔ اس لیے محدثین نے اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔"

بندیالوی صاحب! کیا آپ کا اور آپ کی جماعت کے علماء کرام کا علم زیادہ ہے، یا رئیس الموحدین زیادہ اعلم تھے؟ کیا وہ علوم نبوت کے اسرار و رموز سے ناآشنا اور بے خبر تھے؟ اور اب آپ کی جماعت کے علماء تحقیق و تدقیق میں "استاذ مکرم" کو مات دے کر علوم کے اوج ثریا تک پہنچ گئے ہیں؟ کیا استاذ مکرم حدیث کے مضمرات سے زیادہ آگاہ تھے، یا شاگرد زیادہ دانا ہو گئے؟

حضرت اقدس مولانا حسین علی برد اللہ مضجعہ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماعت کے قائل ہیں، بلکہ وہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کو اپنی قبور میں رزق دیے جانے کے بھی قائل ہیں۔

مولانا حسین علیؒ توسل کے قائل تھے

مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام زید مجدہ (حضرو) کو نام لیے بغیر "تنبیہ" یا نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"پھر ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ جب تک آپ دعاؤں میں انبیاء کرام کے توسل اور بزرگوں کے وسیلے کے قائل نہ ہوں تو ہم آپ کو دیوبندی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں...... تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر "توحید کے گلے پر چھری" رکھ کر وسیلے اور توسل کے قائل ہو جائیں گے؟"[1]

جناب بندیالوی صاحب کے نزدیک "توسل اور وسیلہ" کا قائل ہونا "توحید کے گلے پر چھری رکھ کر"، یعنی اسے ذبح کر کے "شرک" کا مرتکب ہونا ہے۔

بندیالوی صاحب نے یہ ایسی سنگین، قبیح اور تلخ بات کہی ہے جس کی زد میں صحابہ کرام، سلف صالحین اکابرین دیوبند اور بالخصوص "علماء اشاعت التوحید والسنۃ" کے مرشد، مربی اور استاذ مکرم مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ بھی آجاتے ہیں۔ گویا کہ پوری امت محمدیہ ہی "توحید کے گلے پر چھری رکھ کر"، نعوذ باللہ شرک کی مرتکب ہو گئی ہے۔ اور بندیالوی صاحب نے بیک جنبش قلم سب کو مشرک قرار دے دیا ہے۔ استغفر اللہ، معاذ اللہ۔

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۱

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مسئلہ کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں، صرف جناب بندیالوی صاحب کو "آئینہ" دکھانا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد بھی توسیلہ کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ عملاً بھی اس پر کاربند تھے۔ جب اُن کے دور خلافت میں خشک سالی کا عارضہ پیش آیا تو انہوں نے سیدنا عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور توسل پیش کیا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں ملتمس ہوئے۔

اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا. وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا. قال فیسقون.[1]

اے اللہ! بیشک ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور توسل پیش کیا کرتے تھے۔ سو تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔ اور اب تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ تو ہم پر نزول باراں فرما۔ تو ان پر بارش برسائی جاتی۔

قطب زماں حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید جلیل القدر عالم رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہٗ کا مسلک مسئلہ توسل میں حسب ذیل ہے:

"وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است۔ وعین رضا است...... بداں اے برادر گفتن یا رسول بطریق تعشق و توسل خارج از بحث است...... نواب صدیق حسن خان گفتہ:

ع شیخ سنت مددی، قاضی شوکاں مددی

بمعنے دعا باشد۔ چنانچہ در ہندی گویند "شاہا مدد ہووے پیر جیلانی"۔[2]

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳۷

۲۔ بلغۃ الحیران، ص ۳۵۴، ناشر مکتبہ حنفیہ، گوجرانوالہ، مکتبہ سعدیہ، اودھیانہ مارکیٹ، مینگورہ، سوات، پسند فرمودہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیر، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

ترجمہ: کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے۔..... اے بھائی! تو جان لے کہ یارسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے)۔

(اسی توسل اور محبت کے طور پر) نواب صدیق حسن خان نے فرمایا:

اے سنت کے شیخ مدد کر
اور اے قاضی شوکاں مدد کر

جو محض (بطور توسل) دعا ہے۔ چنانچہ پنجابی لوگ کہتے ہیں:

شالا مدد ہووے پیر جیلانی

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے ارشادات کا مقصود یہ ہے کہ ان الفاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ مدد نہیں مانگی جارہی، بلکہ ان کے توسل اور وسیلہ سے دعا کی جارہی ہے۔

حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہٗ توسل کے قائل تھے اور عملاً توسل فرماتے تھے اور اپنی دعاؤں اور دعائیہ خطبات کو اپنے مشائخ عظام کے توسل سے سجاتے تھے۔ چنانچہ اپنی مایۂ ناز تصنیف ''تحریرات حدیث'' میں اپنے مشائخ کرام سے توسل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الحمدللہ رب العلمین. اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم. اللھم صلی علی سیّدنا محمد و علی ال سیّدنا محمد و علی ساداتنا النقشبندیۃ وعلینا معھم اجمعین. اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اختیارہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہٗ بحرمۃ سراجنا و شمسنا من البرج الرحمٰن امین یارب العلمین و یرحم اللہ عبداً قال آمیناً۔[1]

امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ الولی تصوف پر اپنی مشہور کتاب ''تحفہ ابراہیمیہ'' میں مشائخ کے اسماء مبارکہ سے توسّل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول و قد یکون التوسّل بمعنیٰ انّ اللہ تعالیٰ جعل فی ذکر اسمہ

۱۔ تحریرات حدیث، طبع جدید، اشاعت اکیڈمی، پشاور، ص ۱۶۴

برکتہ لحبّہ تعالیٰ ایّاہ بواسطہ ذکر ذلک العبد ایّاہ تعالیٰ بالمحبۃ.

نام من رفت است روزے بر لبِ جاناں بسوز
اھل دل را بوئے جاں می آید از نامم ھنوز

واللہ اعلم۔[1]

(اس نسخہ میں دوسرے مصرع میں ''از'' کا لفظ کتابت کی غلطی سے رہ گیا ہے)۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ کبھی توسّل کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندہ (شیخ طریقت) کے ذکر میں اپنی طرف سے برکت رکھ دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اُس بندے سے محبت ہے، اس لیے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر محبت سے کرتا ہے۔

ترجمہ شعر: ایک دن میرا نام محبوب کے ہونٹوں پر سوز کے ساتھ آ گیا تھا تو (اس میں ایسی تاثیر پیدا ہوگئی کہ) اہل دل کو ابھی تک میرے نام سے محبوب کی خوشبو آتی ہے۔

جناب بندیالوی صاحب! یہ عبارات اسی بزرگ شخصیت کی پیش کی گئی ہیں جنہیں آپ نے بھی ''رئیس المفسرین، قدوۃ السالکین'' لکھا ہے۔[2]

اب ذرا ''توحید کے گلے پر چھری رکھ کر'' کچھ خیال کرنا، احترام اکابر کا پاس لحاظ کرنا، ذرا اپنے گریباں میں جھانک کر سوچنا کہ آپ کے ''سہم مسموم'' نے کیسی کیسی برگزیدہ اور پاکباز ہستیوں کا ''خون'' کردیا ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

استشفاع مولانا حسین علیؒ کی نظر میں

مولانا عطاء اللہ بندیالوی کے کتابچہ ''مسلک شیخ القرآن'' کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ شیخ القرآن اور اشاعت التوحید والسنہ کے علماء کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر، سماعت عند القبر، وسیلہ وتوسل اور استشفاع کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ اور یہ عقائد ونظریات

۱۔ تحفہ ابراہیمیہ، طبع جدید، ص ۵۵ ۔۔۔ ۲۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۳

''توحید'' کے بالکل منافی گویا کہ مشرکانہ ہیں۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ رئیس الموحدین، امام المفسرین، قدوۃ السالکین، حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہٗ بھی حیات فی القبر، سماعت عند قبر النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، وسیلہ اور توسل کے قائل تھے۔ اسی طرح حضرت موصوف ''استشفاع'' کے بھی قائل تھے۔

حضرت اقدس علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الجواہر المنظوم'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> روی عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، انہ بعد ما دفن صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، جاء أعرابی فقال: یارسول اللّٰہ، جئتک تستغفرلی الی ربی. فنودی من القبر الشریف. قد غفرلک.[1]
>
> سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دفن کیے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا۔ پھر اُس نے کہا، یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں۔ پس قبر شریف سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہو چکی ہے۔

جناب بندیالوی صاحب! ذرا ''دیانت و امانت'' کا تقاضا پورا کرتے ہوئے امام الموحدین، سید الطائفہ حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی پر بھی اس فتوٰی کو چسپاں کریں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام مدظلہٗ کے لیے آپ نے بطور اصول و ضابطہ تحریر فرمایا ہے:

> ''پھر ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ جب تک آپ دعاؤں میں انبیاء کرام کے توسل اور بزرگوں کے وسیلے کے قائل نہ ہوں تو ہم آپ کو دیوبندی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں...... تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر توحید کے گلے پر چھری رکھ کر وسیلے اور توسل کے قائل ہو جائیں گے۔''[2]

جناب والا کے اس فتوٰی کی روشنی میں وسیلے اور توسل کا عقیدہ توحید کے منافی اور مشرکانہ

۱۔ تحریرات الحدیث، ص ۶۵۷ ۲۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۱

عقیدہ ہے تو کیا آپ کے اس فتوٰی کی رو سے، نعوذ باللہ ''نقل کفر کفر نہ باشد''، امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ القرآن اور سید عنایت اللہ شاہ گجراتی کے بھی مرشد، مربی اور استاذ تھے، وہ بھی ''توحید کی دولت سے خالی اور شرک کے پجاری'' قرار پائیں گے؟

بندیالوی صاحب! غالباً آپ نے سُکر کی حالت میں یہ ''بڑک'' ماری ہے۔ گویا کہ ''یہ ملنگ کی بھنگ کی ترنگ'' میں بڑک ہے، جس کے مسموم اثرات کہاں تک پہنچ رہے ہیں۔ خدارا کسی بزرگ ہستی کا اکرام و احترام تو کیجیے۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ان یقولون الا کذبا.

حضرت گنگوہیؒ کی توضیح

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۲۳ھ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''استعانت کے تین معنی ہیں: ایک یہ کہ حق تعالٰی سے دعا کرے کہ ''بحرمت فلاں'' میرا کام کر دے، یہ بالاتفاق جائز ہے، خواہ عند القبر ہو، خواہ دوسری جگہ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں۔
>
> دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو۔ یہ شرک ہے۔ خواہ قبر کے پاس کہے، خواہ قبر سے دور کہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے: اَعِيْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰہِ.
>
> تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں، بلکہ عباد اللہ جو صحراء میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالٰی نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے، تو وہ اس بات سے نہیں ہے۔ اس سے حجت جواز پر لانا جہل ہے، معنی حدیث سے۔
>
> تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے، اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالٰی میرا کام کر دے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتٰی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعینِ سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنٰی کیا ہے۔ اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہا نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے

شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ "[1]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ اقدس کی زیارت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے، اپنی شفاعت چاہے اور کہے، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ وَاَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ فِیْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ. "[2]

اے اللہ کے رسول! میں آپ سے سفارش کی درخواست کرتا ہوں، اور آپ کو اللہ کی طرف وسیلہ بناتا ہوں اس بات میں کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر مسلمان کی حیثیت سے جان دے دوں۔

ان الفاظ میں اور جتنا چاہے زیادہ کرسکتا ہے، مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے ہوں۔ لیکن سلف فرماتے ہیں کہ اس موقع پر الفاظ جتنے کم ہوں، مستحسن ہے۔ اور بہت تیز آواز سے نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع وادب کے ساتھ عرض کرے۔ پھر ذرا آگے بڑھ کر کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَاضَجِیْعَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَرَفِیْقَیْہِ وَ وَزِیْرَیْہِ. جَزَاکُمَا اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ، جِئْنَاکُمَا نَتَوَسَّلُ بِکُمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَدْعُوْلَنَا رَبَّنَا اَنْ یُحْیِیْنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَسُنَّتِہٖ وَیَحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ وَجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ.[3]

اے اللہ کے رسول کے دونوں رفیق اور وزیر اور شب وروز ساتھ رہنے والو! تم پر سلامتی ہو، اور اللہ تم دونوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، ہم حاضر ہوئے ہیں کہ آپ دونوں کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وسیلہ اختیار کریں۔ تاکہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں اور ہمارے لیے اپنے رب سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر زندہ رکھے اور آپ کے زمرہ میں ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر فرمائے۔

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، ص ۹۹، ۱۰۰

۲۔ زبدۃ المناسک، ص ۱۴۰ ۳۔ زبدۃ المناسک، ص ۱۴۲، ۱۴۳

تفسیر بلغۃ الحیران

امام الموحدین، رئیس المفسرین حضرت اقدس مولانا حسین علی قدس سرہٗ، واں بھچراں، ضلع میانوالی کی املائی تفسیری افادات کا مجموعہ "بلغۃ الحیران" ہے، جو دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کے جمع کردہ ملفوظات ہیں، جیسا کہ تفسیر کی ابتداء میں ہے:

"فقیر محمد نذر شاہ عباسی الہاشمی، متوطن قصبہ جوکالیاں، ضلع گجرات، پنجاب، ۱۳۴۹ھ کے دورہ قرآن مجید میں مجھے بھی شریک ہونے کا فخر حاصل ہوا ہے، اور حسب الارشاد حضرت استاد میں نے یہ ارشادات عالیہ قلمبند کیے ہیں، جو آپ کے پیش نظر ہیں۔ "[1]

اس تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں (یعنی بطور تفسیر کے) حضرت صاحب نے غلام خان سے قلمبند کروائی ہیں اور بذات خود ان پر نظر فرمائی ہے۔ "[2]

اسی طرح "بلغۃ الحیران" کے مرتب مولانا نذر شاہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بخدمت شریف اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

من جانب محمد نذر شاہ عباسی

عرض ہے کہ تفسیر "بلغۃ الحیران" میری اور غلام خان کی تصنیف ہے، چنانچہ دیباچہ سے ظاہر ہے، مولوی حسین علی صاحب مدظلہٗ سے ترجمہ پڑھا، اور اُن کی تقریریں لکھیں، اور بعض بعض مقام پر کچھ اپنی تقریر بھی لکھ دی ہیں۔ "[3]

جناب بندیالوی صاحب! اب آپ کی صوابدید پر ہے کہ بلغۃ الحیران کی مذکورہ بالا عبارت کا انتساب حضرت اقدس مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے کریں، خواہ شیخ القرآن غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے کریں۔

۱۔ بلغۃ الحیران، ص ا

۲۔ بلغۃ الحیران، ص ۴ ۳۔ امداد الفتاویٰ، ج ۶، ص ۱۱۸

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ اور ۱۹۶۲ء کا فیصلہ

مولانا بندیالوی صاحب نے بطور اعتراض لکھا ہے کہ:

"آیئے اب آپ کو ۱۹۶۲ء کے فیصلے اور تحریر سے آگاہ کریں۔اس فیصلے پر حضرت سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری اور قاضی شمس الدین کے دستخط نہیں ہوئے.....صرف حضرت شیخ القرآن اور مولانا قاضی نور محمد کے دستخط کروائے گئے۔"[1]

بندیالوی صاحب نے ہر موقع پر دھوکا دہی کا ارتکاب کیا ہے، دوسروں کو یہی باور کرایا گیا ہے کہ ۱۹۶۲ء کا تاریخی معاہدہ قابلِ اعتماد وثیقہ نہیں تھا۔اس میں متعدد سقم تھے۔ان ہی میں سے یہ کمی وکمزوری بھی پائی جاتی تھی کہ "اس پر شاہ صاحب اور قاضی شمس الدین کے دستخط نہیں ہوئے۔"

دنیا جانتی ہے اور خود بندیالوی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ شاہ صاحب کی عدم موجودگی کے باعث اُن سے دستخط کروالینے کی ذمہ داری شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب نے لی تھی۔یہ الگ بات ہے کہ شاہ صاحب نے دستخط کرنے سے انکار فرمادیا تھا۔

رہا معاملہ قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا، جبکہ قاضی صاحب نے تو خود وہ مضمون اور عبارت تیار فرمائی تھی جس کو حضرت قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

اور پھر یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ ساری جماعت کے دستخط کروائے جائیں۔جب دوسری طرف سے بھی دو ذمہ دار حضرات کے دستخطوں پر اِکتفا کیا گیا ہے اور قاضی صاحب کے دستخط نہ ہونے سے معاہدہ کی افادیت میں قطعاً فرق نہیں پڑتا۔

حالانکہ حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے خود صراحت فرمادی تھی کہ:

"قاضی صاحب نے اپنا مؤقف لکھ کردے دیا تھا۔"

اب بھی کوئی اشکال باقی ہے، جس کی آڑ میں آپ لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کررہے ہیں۔علاوہ ازیں حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ تو پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے اور عند القبر درود وسلام کی سماعت کے قائل تھے۔جیسا کہ ان کی کتاب

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص۱۲

"مسالک العلماء" سے ظاہر ہے۔

جناب والا کی یاد دہانی کے لیے "مسالک العلماء" کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

"بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام، جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے، وہ بعد الوفات زندہ ہیں۔"[1]

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"عزیزان من! حیات الانبیاء میں نزاع نہیں، وہ تو بالاتفاق زندہ ہیں۔"[2]

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"(ہم) سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز ہی کے قائل نہیں، بلکہ اس کو باعث ہزار سعادت سمجھتے ہیں۔رزقنا اللہ وایاہ۔

اور سماع سلام عند القبر جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اس کو تسلیم کرتے ہیں۔مگر سماع روحانی ہے جیسے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی۔"[3]

حضرت قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ کے شکوک و شبہات رفع نہ ہوں تو معاملہ اللہ کے سپرد۔

قطب گنگوہی اور شیخ العرب والعجم رحمہما اللہ کے ارشادات بھی انتہائی اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

"انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔"[4]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولان النبيين صلوات الله عليهم اجمعين لما كانوا احياء، فلا معنى لتوريث الاحياء منهم.[5]

ترجمہ: چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوات سب کے سب زندہ ہیں، اس لیے ان کی

۱۔ مسالک العلماء، ص۲۹
۲۔ مسالک العلماء، ص۵۶
۳۔ مسالک العلماء، ص۲۳۷
۴۔ فتاویٰ رشیدیہ، ج۱، ص۹۹
۵۔ الکوکب الدری، ص۴۲۳

وراثت آگے چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حی یرزق۔[1]

شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔''[2]

دجل وفریب

مولانا بندیالوی نے اپنے کتابچہ میں عموماً کتمانِ حق اور دجل وفریب سے قارئین کو دھوکا دینے کی روش اختیار کی ہے، لیکن مندرجہ ذیل عبارت میں تو انہوں نے دیانت وامانت، انصاف اور خدا خوفی کا خون ہی کر دیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''چنانچہ انہوں نے (شیخ القرآنؒ) غالباً ۱۹۷۵ء یا ۱۹۷۶ء میں ایک قرآن مجید شائع فرمایا، جس میں دورۂ تفسیر کے دوران پڑھائی جانے والی اصطلاحات، سورتوں کے باہمی ربط اور سورت کے سمجھنے کے لیے مولانا حسین علی کے بیان فرمودہ نوٹ تحریر کر دیے گئے۔۔۔۔۔۔ اس میں بہت کم کسی مسئلے پر تحقیقی نوٹ تحریر کیے گئے۔ مگر سورۂ روم، آیت ۵۲: فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی پر حضرت شیخ القرآن نے تحقیقی نوٹ تحریر فرما کر مسئلہ سماع موتٰی اور خصوصاً عند القبر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ وسلام کے سننے یا نہ سننے کے مسئلے کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔''[3]

قارئین مذکورہ عبارت کے آخری جملے پر غور فرمائیں کہ ''صلوٰۃ وسلام کے سننے یا نہ سننے'' میں بندیالوی صاحب نے کس قدر دجل وفریب اور تلبیس سے کام لیا ہے۔ یہ ''نوجوان طبقہ'' کی رہنمائی ہو رہی ہے یا انہیں گمراہ کیا جا رہا ہے!

اگر ''صلوٰۃ وسلام سننے یا نہ سننے'' کو آپ تحقیقِ انیق کا نام دے کر ''نوجوان طبقہ'' کو حضرت

۱۔ ہدایۃ الشیعہ، ص ۱۸

۲۔ مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۱، ص ۱۳۰ ۳۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۳۴

شیخ القرآن کے مسلک سے روشناس کر رہے ہیں تو آپ ہی ''ہٹ دھرمی'' چھوڑ کر انصاف سے بتائیں کہ ''سننے یا نہ سننے'' سے مسئلہ واضح ہو گیا ہے یا گھمبیر ہو گیا ہے؟

اگر آپ کی دعوت وتبلیغ کا یہی معیار ہے اور عوام الناس کی اصلاح وفلاح کا یہی اندازِ تخاطب ہے تو پھر:

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

ہاں البتہ آپ کی سوچ قابلِ داد ہے کہ انتہائی عرق ریزی، جاں سوزی اور تلاش وجستجو کے بعد پورے قرآن میں صرف ایک ہی مقام آپ کو دستیاب ہو سکا۔ جہاں حضرت شیخ القرآن نے بحد تحقیق وتفتیش سے مسئلہ کو ہر پہلو سے اُجاگر فرمایا ہے کہ ''سنتے ہیں یا نہیں سنتے''۔

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نکلا

مولانا بندیالوی کی ''دروغ گوئی کی نادر مثال''

جناب بندیالوی صاحب ''دروغ گوئی اور کذب بیانی'' میں بڑی مہارت رکھتے ہیں، وہ جھوٹ کو ''ادبی نکھوں سے ایسا مزین'' کر کے پیش کرتے ہیں کہ قارئین کو اس کے جھوٹ ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

مولانا بندیالوی بڑے فخر کے ساتھ ''نوجوان علماء اور نئی نسل'' کو جھوٹ تسلیم کرنے کی ترغیب وتحریص دے رہے ہیں کہ حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''تاریخی معاہدہ'' کے بعد بھی ہر سال یعنی حضرت شیخ کے حینِ حیات اٹھارہ سال تک متواتر اور مسلسل دار العلوم تعلیم القرآن تشریف لا کر طلبہ کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عدم سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عدم استشفاع کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔

چنانچہ جناب بندیالوی صاحب رقمطراز ہیں:

''دار العلوم تعلیم القرآن کے در ودیوار اور مسجد تعلیم القرآن کا منبر ومحراب گواہ ہیں کہ اس تحریر کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب وہاں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب فرماتے رہے۔۔۔۔۔۔ کیا کوئی ذی ہوش شخص اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے کہ اس تحریر کے بعد حضرت شاہ صاحب دورہ تفسیر القرآن کے موقع

پر دار العلوم تعلیم القرآن میں طلبہ کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق
کروانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔"[1]

اگر بندیالوی صاحب صریح جھوٹ بول کر نہ صرف اشاعت التوحید والسنہ والوں کو، بلکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں، جاں نثاروں اور توحید کے متوالے نوجوانوں کو دھوکا دہی کی جسارت نہ کرتے تو ہم بھی یہ "راز افشاء" کرنے کی جرأت نہ کر پاتے۔ مگر بندیالوی صاحب نے "ان تلخ حقائق" سے پردہ اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے، اس لیے اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے بادلِ نخواستہ قلم اٹھانا پڑا۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

۱۹۶۲ء کے تاریخی معاہدے کے ایک عرصہ بعد تک حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب کے مابین حالات کشیدہ رہے۔ شاہ صاحب کی تعلیم القرآن تشریف آوری کسی بھی موقع پر قطعاً نہیں ہوئی، نہ دورہ تفسیر القرآن کے دوران، نہ ابتداء یا اختتامِ بخاری شریف کے موقع پر اور نہ ہی سالانہ کانفرنسوں میں حضرت شاہ صاحب کو مدعو کیا گیا۔

چونکہ حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب کے مابین "مسئلہ توحید" کی اشاعت و ترویج میں زمانہ قدیم سے راسخ تعلق چلا آرہا تھا۔ اس کا تقاضا یہی تھا کہ یہ بُعد اور دُوری ختم کر کے پھر سے پرانے تعلقات استوار کر لیے جائیں۔ غالباً آٹھ دس سال کے انقطاع کے بعد حضرت شیخ القرآن نے وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کو مدعو فرمالیا اور دار العلوم تعلیم القرآن کی سالانہ کانفرنس میں خطاب کا موقع فراہم فرمایا۔

دار العلوم تعلیم القرآن کی وسیع وعریض جامع مسجد سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اسٹیج پر ملک بھر کے نامور اور جلیل القدر علماء کرام رونق افروز تھے، رات کا بڑا حصہ بیت چکا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا خطاب پورے شباب پر تھا اور سامعین محظوظ ہو رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب نے موضوع سے ہٹ کر "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" چھیڑ دیا۔ کچھ دیر تک حضرت شیخ القرآن بے محل اور بے موقع مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت شاہ صاحب کی گفتگو طوعاً و کرہاً

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۵

سماعت فرماتے رہے، اور اپنے جذبات ضبط کرتے رہے۔ لیکن جب شاہ صاحب نے فرمایا:

"آؤ، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل پیش کرو۔"

تو حضرت شیخ القرآن جلال میں آگئے اور اس وقت اُن کا جلال دیدنی تھا۔ انتہائی غضبناک ہو کر فرمایا:

"چھوڑو، چھوڑو، دلائل نہ دلائل۔"

اور شاہ صاحب سے مائیک چھین لیا اور خود تقریر شروع کر دی۔

حضرت شاہ صاحب کی بیحد بکی ہوئی، لیکن وہ محو حیرت، بالکل ساکت وصامت سوچ کی موج میں گم ہو گئے۔ مگر قطعاً کوئی ردِ عمل پیش نہیں کیا۔ کچھ دیر اسٹیج پر تشریف فرما رہے اور پھر چلے گئے۔

جناب بندیالوی صاحب! اتنا طویل زمانہ ہم حضرت شاہ صاحب کی عزت و توقیر کے پیش نظر خاموش رہے، لیکن افسوس کہ آپ کی فریب دہی اور دروغ گوئی، جس سے عوام کو گمراہ کیا جانے لگا، تو ہمیں خاموش تماشائی بن کر گونگے شیطان کا کردار ادا کرنا گوارا نہ ہو سکا، تو یہ تلخ حقائق منظر عام پر لانا پڑے۔ ۱۹۶۲ء کے معاہدہ کے بعد دار العلوم تعلیم القرآن میں "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر حضرت شاہ صاحب کی یہی پہلی اور آخری تقریر تھی۔

آپ اس غلط فہمی میں تھے کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو اکتیس سال گزر چکے ہیں، اب میدان خالی ہے، ہم "نوجوان علماء" اور دوسرے حضرات کو غلط بیانی کی مشین گن سے رام کر لیں گے۔ بحمد اللہ ابھی حضرت شیخ القرآن کے شیدائی، شاگرد اور متوالے زندہ ہیں۔

صد سالہ دیوبند کانفرنس پر شاہ صاحب کی برہمی اور شیخ القرآن کا ردِ عمل

جناب بندیالوی صاحب! آپ نے بالکل غلط راستہ منتخب فرمایا اور آپ کی خام خیالی نے آپ کو اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ آپ نئی نسل کو گمراہ کرنے کی ناپاک جسارت نہ کرتے تو ہمارا منہ بھی بند رہتا۔ لیکن آپ کی "ہفوات" نے کشف حقیقت پر مجبور کر دیا ہے۔

ایشیاء کا جامع ازہر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، مادر علمی دار العلوم دیوبند کے زعماء اور مشائخ نے جب صد سالہ کانفرنس کا انعقاد فرمایا، جس میں دار العلوم دیوبند کے اکابرین کی شاندار خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا، اُس تاریخی کانفرنس میں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو مقالہ

پیش کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

لیکن حضرت سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری برہم ہو گئے اور انہوں نے ''انتہائی نازیبا کلمات'' استعمال کیے جو اخبارات میں بھی شائع ہو گئے۔ حضرت شیخ القرآن کو شاہ صاحب کے کلمات پر قلبی دکھ ہوا، ان کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچی۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو علماء دیوبند سے والہانہ عقیدت اور بے پناہ قلبی انس تھا۔ وہ اُن پر جان نچھاور کرتے تھے اور انہیں علماء ومشائخ دیوبند کے خلاف کسی کی بات ہرگز گوارا نہ تھی۔

حضرت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب کے ساتھ گہرے اور قدیم تعلقات کے باوجود اُن کے بیان پر حضرت شیخ القرآنؒ نے سخت ترین ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے فوراً پریس کانفرنس طلب فرمائی اور اس میں علماء دیوبند کی دینی، سیاسی اور ملکی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

''علماء دیوبند کے خلاف میں کسی کی بات قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ اگر میرا باپ بھی اُن کے خلاف کچھ کہے تو میں ان کی بات کو بھی مسترد کر دوں گا۔ میں اُن کی عزت وناموس پر اپنی جان تو قربان کر سکتا ہوں، لیکن ان کے خلاف کچھ سننے کا روادار نہیں ہوں۔''

اتفاق سے اسی سال حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ میں دعوت دے چکے تھے۔ لیکن شاہ صاحب کے ریمارکس سے کبیدہ خاطر ہو گئے اور جلسہ کے اشتہار کے متعلق حضرت شیخ نے اس خادم سے فرمایا:

''ادھر لاؤ وہ اشتہار اور کاٹ دو شاہ صاحب کا نام۔ انہیں دیوبندی کہہ کہہ کر ہمارا گلہ بھی خشک ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے تو دیوبند کا منہ بھی نہیں دیکھا۔ وہ دیوبند کے خلاف بیان دیتے ہیں۔ اشتہار سے ان کا نام کاٹ دو۔''

چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی زندگی کی اس آخری کانفرنس میں حضرت شاہ صاحب کو دعوت نہیں دی۔

جناب بندیالوی صاحب! یہ وہ سربستہ راز تھے جن کو افشاء کرنے پر آپ نے ہمیں مجبور کیا

ہے۔ اب آپ سٹپٹائیں گے اور ان واقعات کو غلط ثابت کرنے کے لیے غلط راستہ بھی اختیار کریں گے۔

حضرت شیخ القرآنؒ کی نمازِ جنازہ

جناب بندیالوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مگر یہ بات روز روشن کی طرح ہر ایک پر عیاں ہے کہ اس تحریر کے بعد بھی وفات کے دن تک ہر معاملہ میں حضرت شیخ القرآن حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ ان کا جنازہ بھی حضرت شاہ صاحب نے پڑھایا...... غرضیکہ دونوں کا یہ تعلق زندگی کے آخری دن تک قائم رہا۔''[1]

جناب بندیالوی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھانے کو بھی ''شیخین کی باہم یگانگت'' کی دلیل بنایا ہے۔ حالانکہ یہ تو عام دستور ہے کہ کسی بھی بزرگ یا جماعت کے سربراہ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن محض نمازِ جنازہ پڑھانا باہمی تعلقات کی پختگی کی علامت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر جناب بندیالوی صاحب کی بات ہی کو درست تسلیم کر لیا جائے تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت شاہ صاحب نے شیخ القرآن کی نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہی تھیں۔ کیا حضرت شاہ صاحب نے دیرینہ دوستی کا یہ صلہ دیا تھا؟ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ جنازہ میں پانچ تکبیرات کن کا مسلک ہے؟

قومی اخبارات کے ریکارڈ پر یہ بات آج بھی محفوظ ہے۔ اور یہ واقعہ ایک عرصہ تک اخبارات میں موضوع بحث بنا رہا تھا۔ اگرچہ اس خفت کو مٹانے کے لیے مورد الزام جناب عبدالحمید صدر آزاد کشمیر کو ٹھہرایا گیا جو مکبر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

طعن وتشنیع اور تکفیر

جناب بندیالوی صاحب نے ''اشاعت التوحید والسنّت کے موجودہ احباب، خصوصاً نوجوان طبقہ'' کی رہنمائی کے لیے ''فریق مخالف'' کے طعن وتشنیع کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

''ان دونوں کی دوستی وتعلق (مولانا غلام اللہ خان اور سیّد عنایت اللہ شاہ) کا

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۱۶

اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا...... بلکہ اپنوں سے زیادہ تھا۔ وہ اپنے رسائل و جرائد میں تقاریر میں ان دونوں کی دوستی، یکجہتی، یگانگت اور موافقت کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے اور اپنے طور پر گھٹیا پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ازراہِ تمسخر انہیں ''عین غین'' کے لقب سے یاد کرتے، بلکہ پوری جماعت اشاعت التوحید والسنّت کو عین غین پارٹی کہتے۔''[1]

''مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ آج ۱۹۶۲ء کے فیصلے والے رسالے ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' کو لہرا لہرا کر جھوٹ بول رہے ہیں، اور جو بزرجمہر اس پروپیگنڈے کے پرچار کرنے میں پیش پیش ہیں وہ بے باک لوگ حضرت شیخ القرآن کی زندگی میں اشاعت التوحید والسنّت سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور اراکین کو ''غلام خانی ٹولہ'' کے نام سے چھیڑتے رہے۔''[2]

جناب بندیالوی صاحب کا لب ولہجہ، اندازِ تکلم اور شیریں کلامی قارئین نے ملاحظہ فرمائی ہے، لیکن بندیالوی صاحب نے ''نوجوان طبقہ اور اشاعت کے موجودہ احباب'' کو تصویر کا ایک رُخ دکھا کر یہ تاثر دیا ہے کہ ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے قائلین بے ادب، گستاخ اور بدکلامی کے مرتکب لوگ ہیں۔ انہی نے عدم حیات کے قائل علماء کرام کی توہین اور تنقیص کا ارتکاب کیا ہے۔

لیکن یہاں بھی بندیالوی صاحب نے کتمانِ حق اور ملمع سازی سے کام لیا ہے۔ کیا ان حضرات کے اس ناروا رویہ پر ''اشاعت التوحید والسنّت'' کے اکابر واصاغر کا کردار ''معصومانہ'' رہا ہے، یا انہوں نے ''فَصَبْرٌ جَمِيلٌ'' کو اختیار فرمایا، یا پھر انہوں نے اپنے قول وفعل سے اس حقیقت کا اعتراف کیا، لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ.

نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا، بلکہ اشاعت والوں نے ''اینٹ کا جواب پتھر'' سے دیا، اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کی تکفیر سے بھی گریز نہیں کیا۔

آپ ذرا اشاعت التوحید والسنہ کی ''میٹنگوں اور فیصلوں'' والی فائل بھی کھولیں اور حیات

۱۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۷ ۲۔ مسلک شیخ القرآن، ص ۹

النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین پر برسائے گئے ''تکفیری ایٹم بم'' سے بھی ''نوجوان طبقہ'' کو آگاہ فرمائیں کہ اشاعت کے کون کونسے مشائخ نے ''تکفیری بم'' گرانے کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔

ہم کہیں تو گستاخی ہوگی۔

جن دنوں ''تکفیری مہم'' پورے زور وشور سے جاری تھی، راقم الحروف حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پرانے قلعہ کی گیلری میں حاضر ہوا۔ حضرت سخت جلال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ انہوں نے بے رخی سے وعلیکم السّلام کہہ دیا۔ میں مزید کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور خاموش بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شہری آدمی جو حضرت کے بے تکلف تھے، آ گئے۔ انہوں نے سلام کیا تو ان کو بھی اسی انداز سے جواب دیا۔

وہ کہتے ہیں، حضرت خیر تو ہے، کیوں غصے میں ہیں؟

حضرت نے فرمایا، ''او سعیدے دا پتر آیا سی۔ اس فتویٰ پر دستخط کر دیں کہ حیات النبی کے قائل کافر ہیں۔ میں نے ڈنڈا اُٹھایا کہ اسے دستخط کر کے دیتا ہوں لیکن وہ جلدی سے بھاگ گیا۔''

محترما! طعن وتشنیع کرنا بھی قبیح فعل ہے، جن حضرات نے ایسا کیا ہے وہ کسی تحسین کے لائق نہیں ہیں لیکن مسلمان کی تکفیر کرنا، یہ تو انتہائی سنگین جرم ہے۔ آپ اس سے بھی تو ''نوجوان طبقہ'' کو آگاہ کریں۔

اسی نوعیت کا ایک دل آزار واقعہ لگے ہاتھوں ملاحظہ فرمالیں۔ دو بزرگ شخصیات نے رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہٗ کے مشاہیر تلامذہ اور مسترشدین کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ایک بزرگ نے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے۔

حضرت مولانا سیّد سجاد صاحب بخاری نے چالیس مریدین اور تلامذہ کی فہرست اقامۃ البرہان میں شائع فرمائی ہے۔ لیکن اس میں امام اہل سنت حضرت مولانا ابوزاہد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شامل نہیں ہے جبکہ یہ کتاب موصوف نے ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ/ جنوری ۱۹۷۲ء میں اپنی زندگی میں طبع کرائی ہے۔

اس کے برعکس حضرت مولانا عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ برادر امام اہل سنتؒ نے ''فیوضاتِ حسینی'' میں مولانا سجاد بخاریؒ کا ذکر خیر بڑے احترام اور وقار سے کیا ہے۔ یہ کتاب طبع سوم ۱۴۱۳ھ/ جنوری ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آئی ہے۔ حضرت مولانا سواتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مولانا سیّد احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری

فاضل دارالعلوم دیوبند اور فاضل دار المبلغین لکھنؤ ہیں۔ بڑے سمجھ دار اور معتدل مزاج، اچھے لکھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن کے مدیر ہیں۔ اور آج کل تفسیر جواہر القرآن مرتب کر رہے ہیں۔ تفسیر بڑے عمدہ طریق پر مرتب کر رہے ہیں۔ لیکن بعض باتیں اس میں شاذ قسم کی ہیں۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ خلط ملط کر دیا ہے۔ ترجمہ شیخ الہند کا لے لیا۔ فوائد موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب اور مقدمہ مع فوائد فتح الرحمٰن شاہ ولی اللہ کا لیا ہے۔

اس طرح مولانا حسین علی کے طرزِ فکر کو الگ طور پر سمجھنا مشکل ہوگا۔ بہت سی باتیں تفسیر میں مولانا غلام اللہ خان صاحب اور احمد حسین شاہ صاحب نے اپنی طرف سے بیان کی ہیں، جن کا حضرت مولانا حسین علی کی طرف انتساب واقعہ کے خلاف ہوگا۔ سجاد صاحب حضرت مولانا حسین علی کے مریدین میں سے ہیں۔"[1]

یہ آپ کے لیے "لمحۂ فکریہ" ہے کہ مولانا سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اہل سنت کا نام حضرت مولانا حسین علی کے تلامذہ میں اس لیے شامل نہیں فرمایا کہ وہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے، لیکن ان کے بھائی نے تعصب سے بالاتر ہو کر نہ صرف سجاد صاحب کا ذکر کیا ہے، بلکہ تعریف و توصیف بھی فرمائی ہے۔

ع ببین تفاوت راہ کجا است تا بکجا

حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہٗ کا بیان

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے عقائد کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ ممات کے قائل تھے اور ممات کو ترجیح دیتے تھے، یہ غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کے دو دلائل آپ کو بتاؤں گا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے

۱۔ فیوضات حسینی، ص ۴۳

شاگرد ہیں، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے، حیاتی تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ہیں اور صرف شاگرد ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے خلیفہ بھی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب مماتی نہیں ہیں بلکہ حیاتی ہیں تو جو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہیں، ان کے مرید ہیں، ان کے خلیفہ بھی ہیں، اگر مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مماتی ہے تو پھر ان کے خلیفہ اور مرید نے حیاتی مسلک کیوں اختیار کیا ہے؟ ایک مرید کو اپنے مرشد کے ساتھ جتنا تعلق ہوتا ہے معلوم ہے آپ کو؟ اتنا شاگرد کا اپنے استاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ان کے مرید بھی ہیں اور ان کے شاگرد بھی ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں، اور وہ حیاتی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مماتیت کی نسبت درست نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں، وہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کو حیاتی بتاتے ہیں، مماتی نہیں بتاتے، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہیں تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم بھی ان کے شاگرد، مرید اور خلیفہ ہیں، وہ حیاتی ہیں تو پھر ان کے پیر کو بھی حیاتی ماننا پڑے گا، ان کو مماتی کیوں کہا جا رہا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم ہیں۔ پیر طریقت بھی ہیں اور ان کا بہت بلند مقام ہے۔ ان کے ارشاداتِ عالیہ کی تشہیر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ وہ تصوف کے نکات و امور پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بہت بڑے بزرگ عالم ہیں اور وہ بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، وہ حیاتی ہیں۔"[1]

۱۔ ماہنامہ القاسم، نوشہرہ، جلد ۱۲، شمارہ ۵-۶، ۱۴۲۹ھ/ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸ء

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

جناب مولانا عطاء اللہ صاحب نے اپنے مفاد میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ بڑے کروفر سے شائع فرمایا ہے۔ مولانا بندیالوی صاحب کا مقصد فتویٰ کی اشاعت سے یہ ہے کہ مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب اور ان کے پیروکاروں کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے اور نماز نہ ہونے کا جو فتویٰ دیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ مولانا بندیالوی صاحب کی دوسری ہاتھ صفائیوں کی طرح یہ بھی ان کی ایک ہاتھ صفائی ہے۔ شیخ القرآنؒ تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام کے قائل تھے، اس لیے ان کے صحیح پیروکاروں کی اقتداء کا درست ہونا ظاہر ہے۔ اور مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کا معاملہ اس وقت واضح نہیں تھا۔ وہ سماع عادۃ کے مطلقاً منکر نہ تھے۔ اس لیے مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فتویٰ اس وقت کے حالات کی روشنی میں دیا تھا، نہ کہ اب واضح انکار کے بعد بھی یہی فتویٰ رہے گا۔
مولانا بندیالوی صاحب نے ''مسلک شیخ القرآن'' میں جا بجا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد الوفات حقیقی جسمانی حیات کا انکار کیا ہے۔ اور محض روحانی حیات کا نظریہ پیش کیا ہے۔
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مفصل تحریر ملاحظہ ہو:

''زبدۃ الفقہاء بدر الادباء حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم،
مفتی اعظم دار العلوم دیوبند
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ ''رحمتِ کائنات'' مصنفہ مولانا زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت والجماعۃ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔
مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تا قیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایۂ سعادت دنیا و آخرت ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دعا نکلی۔ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس

مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کی حیاتِ برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیاتِ دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں، بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں، مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔
متقدمین میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایاتِ حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقیؒ نے فرمایا ہے: ''ولحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ۔'' اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں، اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور ''شفاء السقام'' میں امام حدیث و فقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے، اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفات حیاتِ جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

وقد ذکرنا من جماعۃ من العلماء و شھدلہ صلوۃ موسیٰ علیہ السّلام فی قبرہ فان الصلوۃ یستدعی جسدًا معھا و کذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا حیاۃ حقیقۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف و غیر ذلک من الصفات الاجسام الّتی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم اخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقیۃ بھم. (شفاء الاسقام من السبکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
فلم یبق الا انھا حیاۃ حقیقیۃ الأن وان الشھدآء احیاء حقیقۃ و ھو

قول جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان.

اس کے بعد اس قولِ ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیاتِ حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ و اقویٰ ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثلِ حیاتِ دنیوی کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگانِ دیوبند کا ہے۔

(۳،۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیاتِ روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبند کوئی مستقل مذہب نہیں، اتباع سلف و جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ، دار العلوم کراچی
۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ[1]

مولانا بندیالوی صاحب نے اعلانِ حق کے نام سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ صرف اپنے غلط مقصد کو درست ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ واضح فتویٰ اور اس مفصل تحریر کے بعد ہمیں انتظار رہے گا کہ مولانا بندیالوی اپنا وضعی موقف بدلتے ہیں یا پھر ہاتھ کی صفائی کا کوئی کرشمہ دکھاتے ہیں۔

منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوبندی نہ ہونے اور ان کی اقتداء میں نماز نہ ہونے پر علماء دیوبند قدس اسرارہم کے بیسیوں فتاویٰ موجود ہیں۔ یہاں صرف تین فتوے پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ مقام حیات، جدید ایڈیشن، ص ۶۹۱

(۱)

اکابر علمائے دیوبند قدس سرہم کا عقیدہ

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء میں جب ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے بعض علماء نے علمائے دیوبند کے عقیدہ ''حیات الانبیاء جسمانی، برزخی'' کی تردید کرتے ہوئے جدا راستہ اختیار کیا اور علمائے دیوبند میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو اس وقت کے اکابر علمائے دیوبند نے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل اعلان شائع کروایا۔

عقیدہ حیات النبیؐ کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کا مسلک

علمائے دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں۔ اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور ''حیات دنیوی کے مماثل'' ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے، بلاواسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ دائر کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل.

۱۔ مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی نمبر ۵

۲۔ مولانا عبد الحق عفی عنہ، مہتمم دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

۳۔ مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ، سابق ناظم محکمہ امور دینیہ، بہاولپور

۴۔ مولانا ظفر احمد عفا اللہ عنہ، شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ، ٹنڈو الٰہ یار، سندھ

۵۔ مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۶۔ مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور

۷۔ مولانا مفتی محمد حسن، مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور

۸۔ مولانا محمد رسول خان عفا اللہ عنہ، جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد، لاہور

۹۔ مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مہتمم دار العلوم، کراچی نمبر۱

۱۰۔ مولانا احمد علی عفی عنہ، امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین، لاہور

(پیامِ مشرق، لاہور، جلد نمبر۳، شمارہ نمبر۴، ۱۳۸۰ھ/ستمبر ۱۹۶۰ء)

(۲)

دار العلوم دیوبند کا اعلانِ حق

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں، آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمارے کان ایسے نہیں کہ ہم سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند ۱۳/۵/۷۶ھ

- الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور۔ ۲۱ رشوال ۱۳۷۶ھ
- اجاب المجیب و اجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ، مدرس جامعہ اشرفیہ، لاہور
- الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
- الجواب صحیح ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

(بحوالہ تسکین الصدور، طبع دوم، ص ۴۱، ۴۴)

(۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ کا شمار اپنے دور کے ائمہ حدیث اور حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اپنے تلامذہ کو آپ کے پاس تعلیم حدیث کے لیے بھیجتے تھے۔ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اکثر خلفاء نے حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ بھی حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے تھے اور دینی کاموں میں انہی کو اپنا سرپرست قرار دیتے تھے۔ چنانچہ عقیدۃ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا بیان یہاں نقل کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے عقیدہ کے ساتھ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کے عقیدہ کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی سماع صلوٰۃ عند القبر الشریف کے ساتھ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ نے ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی میں اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے درج ذیل اعلان شائع کروایا:

"میں (نصیر الدین غورغشتوی) اور مولانا غلام اللہ خان عقائد میں متفق ہیں، میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد "برزخی حیات" کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہراً پڑھا جائے تو نبی ﷺ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ "تعلیم القرآن" میں یہ لکھا ہے۔......

اور نبی علیہ السلام اور سب اموات میں حیاتِ برزخی ہے اور نبی علیہ السلام میں سب سے اکمل اور احسن ہے۔ اس واسطے وہ قبر کے پاس درود و سلام سنتے ہیں۔[1]

۱۔ ماہنامہ "تعلیم القرآن"، ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۵

حدیث "مَنْ صَلّیٰ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ" کی تصحیح پر تعلیم القرآن راولپنڈی کا فتویٰ

مولانا عطاء اللہ بندیالوی نے مولانا سجاد بخاری صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے "حاشیہ قرآن مجید" کے حوالے سے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ یہ لگایا ہے کہ حدیث "مَنْ صَلّیٰ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ" جو میری قبر کے قریب درود پڑھتا ہے میں خود اسے سنتا ہوں، موضوع ہے۔ اور مولانا سید محمد حسین نیلوی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

> اس فیصلہ (۱۹۶۲ء) کی بنیاد بننے والی روایت کی تحقیق ہو جانے کے بعد بھی اس فیصلے کو درست کہنے والوں سے رفض کی بو آتی ہے۔[۱]

اس حدیث کی تصحیح حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی تائید سے جاری ہونے والے فتویٰ میں ملاحظہ ہو۔ یہ فتویٰ "دار العلوم تعلیم القرآن" راولپنڈی کے دار الافتاء سے جاری ہوا اور ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی میں چھپا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ "دار العلوم تعلیم القرآن" کے مہتمم اور ماہنامہ "تعلیم القرآن" کے بانی، مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے۔

سوال:۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجا جاتا ہے اسے میں پہنچایا جاتا ہوں یہ حدیث سند صحیح نہیں۔ محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے ابن کثیر اردو جلد نمبر ۴ پ ۲۲ ص ۳۱۔ اس مسئلہ میں ہمیں بہت الجھن ہے مہربانی فرما کر ٹھیک بتائیں کہ شک مٹ جائے۔

جواب:۔ اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اسی کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ھذا کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ ملا علی القاری الحنفیؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

> قال میرک نقلا من الشیخ ورواہ ابو الشیخ و ابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید.[۲]

اب مولانا بندیالوی غور کر لیں کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ اپنی سرپرستی، نگرانی اور تائید میں

۱۔ ماہنامہ "گلستان اسلام" جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۰ شوال ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء ص ۱۸

۲۔ فتویٰ مولانا مفتی عبد الرشید صاحب، ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ / ۱۰ اگست ۱۹۶۷ء، ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی، جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱۰، اکتوبر ۱۹۶۷ء / رجب ۱۳۸۷ھ ص ۴۷، ۴۸

حدیث "مَنْ صَلّیٰ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ" کی تصحیح کر کے سائل کا شک مٹا رہے ہیں۔ مگر مولانا بندیالوی اور مولانا نیلوی صاحب کا شک ابھی تک نہیں مٹا۔ بلکہ الٹا یہ حضرات اپنا شک حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگا رہے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

عذاب قبر، مقام قبر اور میت کے جسم سے سوال و جواب پر "تعلیم القرآن" کا فتویٰ

مولانا بندیالوی صاحب اپنے وضعی عقائد کو شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگاتے تھکتے نہیں۔ "مسلک شیخ القرآن" میں انہوں نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ یہ بھی لگایا کہ وہ اس دنیوی ارضی قبر میں میت کے جسم سے سوال و جواب اور اس دنیوی قبر میں عذاب و ثواب کے قائل نہیں۔ بجائے اس کے کہ مولانا بندیالوی کے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر اس الزام کی تردید ہم کریں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی اور تائیدی فتویٰ کو پیش کیے دیتے ہیں۔ یہ فتویٰ "دار العلوم تعلیم القرآن" راولپنڈی سے جاری ہوا اور ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی میں چھپا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ "دار العلوم تعلیم القرآن" کے بانی و مہتمم اور ماہنامہ "تعلیم القرآن" کے مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے۔

سوال:۔ مردہ سے سوال و جواب قبر میں ہوتا ہے یا جس مقام پر اس کی روح ہوتی ہے وہاں ہوتا ہے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں قبر کا لفظ وارد ہے جیسے بخاری اور مسلم کی روایت ہے "ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولیٰ عنہ اصحابہ" الحدیث اور قول محقق بھی یہی ہے کہ برزخی حالات مثل سوال و جواب و تألم و تنعم روح اور جسد دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ فلہذا بدن جس ظرف میں ہوگا سوال و جواب کا تعلق اس کے ساتھ ہوگا اگر جسد قبر میں ہے تو قبر میں ہوگا اور اگر اور کسی ظرف میں ہے تو اس میں، ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۲۰ رجب ۱۳۸۶ھ / ۶ نومبر ۱۹۶۶ء[۱]

۱۔ فتویٰ مولانا مفتی عبد الرشید صاحب، ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی، جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۴، ص نمبر ۳۵، ۳۶، اپریل ۱۹۶۷ء / محرم ۱۳۸۷ھ

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ تعلق ارواح

مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ اپنا یہ وضعی عقیدہ بھی لگایا ہے کہ وہ موت کے بعد ارواح کے اجساد سے تعلق کے منکر ہیں۔ اس پر ہم خود شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی تائیدی تحریر پیش کیے دیتے ہیں۔

تعلق (روح کا جسم کے ساتھ) باقی ہے۔ چنانچہ فتح العزیز کی عبارت مذکورہ بالا میں مصرح ہے۔ وتعلقے بقبر نیز ارواح را میباشد۔ قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی۔ اور فقہائے کرام نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے۔ اور وہ اسی بقائے تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم السلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے، خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ بھی نہیں۔[1]

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ ۱۹۶۲ء سے پہلے کا ہے۔ فیصلہ ۱۹۶۲ء میں بھی انہوں نے تعلق کو تسلیم کیا اور اس کے بعد بھی ان سے اس کا انکار ثابت نہیں۔

خلاصۂ کلام

الحمدللہ گذشتہ صفحات میں ٹھوس حوالہ جات اور ناقابل تردید ثبوت سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے تھے جو قرآن وسنت سے فقہاء، متکلمین علمائے دیوبند اور خاص کر شیخ القرآنؒ کے پیر ومرشد حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر اپنا خود ساختہ عقیدہ ٹھونسنے کے لیے ''تفسیر جواہر القرآن، حاشیہ قرآن اور اقامۃ البرہان'' کو پیش کیا ہے۔ یہ کتابیں حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے لکھی گئیں۔ مگر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر نہیں ہیں کہ ان کو حرف بحرف شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا جائے۔ اسی طرح ''رد منکرات'' کی تقریظ بھی حقائق سے متصادم ہے۔ اسے شیخ القرآن کی تحریر نہیں کہا جاسکتا۔ جبکہ

۱۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۵۹ء ص ۱۱

الحمدللہ ہم نے ان تحریرات کے مقابل شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے دستخطوں سے ان کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۲ء کے فیصلے سے پہلے کی بھی تحریرات ہیں اور بعد کی بھی۔ مثلاً ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۹۵۹ء، ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹۶۲ء اور ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۹۷۶ء کی تحریروں پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے دستخط موجود ہیں، جبکہ ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء کی تحریر بھی حضرت شیخ القرآنؒ کے دور اہتمام کی ہے۔

اب مولانا بندیالوی صاحب کی خدمت میں صرف تین سوال ہیں:

۱۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تحریر پیش کریں جس میں انہوں نے ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو منسوخ قرار دیا ہو۔

۲۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی درس، تقریر، وعظ ایسا پیش کر دیں جس میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو منسوخ قرار دیا ہو۔

۳۔ ۱۹۶۲ء سے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۹۸۰ء تک ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی فائلیں موجود ہیں۔ ان اٹھارہ سالوں میں کوئی ایک شمارہ دکھا دیں جس میں ۱۹۶۲ء کے فیصلے کو شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے منسوخ قرار دیا ہو۔

اگر مولانا بندیالوی صاحب ایسا نہیں کر سکتے اور انشاء اللہ کبھی بھی نہ کر سکیں گے تو پھر اپنے وضعی عقائد کو، جن کا عقائد اہل السنہ سے کوئی تعلق نہیں، اپنی نسبت سے بیان کریں۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھ کر اپنی دنیا وآخرت برباد نہ کریں۔

''تعلیم القرآن'' کے فتاویٰ، تفسیر ''جواہر القرآن'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' میں تضاد کی وجہ

مولانا عطاء اللہ بندیالوی اور ان کے ہمنوا تفسیر ''جواہر القرآن'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' کے حوالہ سے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مبارکہ اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے انکار کا پیش کرتے ہیں۔ جبکہ فیصلہ ۱۹۶۲ء اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے زیر دستخطی اور تائیدی فتاویٰ جات اور دوسری تحریرات اس کے برعکس حیاۃ الانبیاء علیہم السلام اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کی تصریح کرتے ہیں اس لئے یہاں اس تضاد اور منکرین حیات کے پھیلائے گئے مغالطہ کو دور کرنا ضروری ہے۔

اس کا آسان اور سادہ سا جواب یہ ہے کہ تفسیر ''جواہر القرآن'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' کے

متعلق تو ٹھوس ثبوتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھی ہوئی نہیں بلکہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر مولانا سجاد بخاری نے انہیں لکھا تھا۔ اس لئے ان کے حرف حرف کو عقیدہ جیسے اہم معاملہ میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مستقل تصانیف ہیں جو سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حرف حرف کو دیکھا ہو جب کہ فتاوٰی اور فیصلہ مختصر اور جامع تحریر ہوتی ہے ان پر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط کرتے وقت یا ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' میں اشاعت پر ضرور دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تحریرات اور فتاوٰی میں کوئی تضاد نہیں۔ جو عقیدہ اثبات حیاۃ الانبیاء علیہم السلام اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر پر ۱۹۶۲ء سے پہلے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش ہوا وہی ان کے وصال تک موجود ہے۔ ''تفسیر جواہر القرآن'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' کی سینکڑوں صفحات کی معلومات ضروری نہیں کہ کسی نے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر کے اس تضاد کا رفع چاہا ہو۔ اگر کوئی ایسا ثبوت ہے تو پیش کیا جائے مگر تضاد خود ''تفسیر جواہر القرآن'' اور ''حاشیہ قرآن مجید'' میں تو پیش کیا جاسکتا ہے کہ سجاد بخاری صاحب خود آخر تک اپنی ان تحقیقات میں تبدیلیاں کرتے رہے۔ اس طرح کا تضاد شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں اور فتاوٰی میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بندیالوی اینڈ کمپنی سے گزارش ہے مولانا سجاد بخاری صاحب، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب اور مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کے تفردات اور ملفوظات کو ان سے منسوب کریں، شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر کے اور ناسخ منسوخ کی وضعی بحث جو ان سے ثابت بھی نہ ہو سکی پیش کر کے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور عقیدہ کو متنازع نہ بنائیں۔

ایک سوال، کہ ۱۹۶۲ء سے پہلے شیخ القرآنؒ کا عقیدہ کیا تھا اور اس کا جواب

کئی دوست ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ جب شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی یہی فیصلہ والا تھا، پھر اتنے اختلاف اور فیصلے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جواب: حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ ۱۹۶۲ء سے پہلے بھی وہی تھا جو فیصلہ ۱۹۶۲ء میں لکھا گیا ہے۔ اختلاف کے اصل محرک مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب تھے۔ یہ

اشاعت التوحید والسنہ میں شیخ القرآنؒ کے ساتھ تھے۔ حضرت شیخ القرآنؒ اور اشاعت کے اس وقت کے صحیح العقیدہ علماء مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی کی ان باتوں کو ان کا ذاتی تفرد سمجھ کر توحید و سنت کی اشاعت کے لیے انہیں ساتھ ملا کر برداشت کر رہے تھے۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بھی توحید وسنت کے لیے علماء کے اس پلیٹ فارم کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لیے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیو بند سے یہ فیصلہ کرایا گیا کہ اس شخصیت کی اہل سنت کی ترجمانی کو شاہ صاحب قبول کر لیں گے۔ اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ذمہ داری اٹھائی مگر افسوس کہ شاہ صاحب نے نہ متقدمین اہل سنت کی مانی اور نہ متاخرین کی اور نہ اکابر علماء دیو بند کی اور نہ مہتمم دار العلوم دیو بند کی، اور نہ اپنے مخلص رفیق دیرینہ حضرت شیخ القرآنؒ کی۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ کا اعتدال اور اکابر سے تعلق

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء دیو بند کے فیض یافتہ تھے۔ انہوں نے اکابر کے اتباع میں ہمیشہ اعتدال کی دعوت دی، اکابر سے ادب واحترام کا تعلق رکھا اور متشددین سے دور رہے۔ ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' میں پیدا ہونے والے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا موقف گزشتہ صفحات میں تفصیل سے پیش کر چکا ہوں۔ حضرت شیخ القرآن کے اعتدال اور اکابر سے تعلق کی ایک واضح مثال مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت شیخ الحدیث مولانا غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی پر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں سینہ سپر ہو جانا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث غور غشتوی رحمہ اللہ نے ۱۹۶۶ء میں فتوی دیا کہ پنج پیری قرآن میں تحریف کرتے ہیں یعنی اکابر کے نہج سے ہٹ کر تفسیر بیان کرتے ہیں اس لئے طلبہ کو ان کے پاس نہ بھیجا جائے اور ان کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے۔ ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کے بعض حضرات نے جب اس فتوی کے خلاف آواز اٹھائی اور جماعتی طور پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے بائیکاٹ کی بات کی تو حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا بھر پور دفاع کیا۔ مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۶ء ہی میں ''جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ'' سے الگ ہو گئے اور اپنی تنظیم ''جماعت اشاعۃ التوحید والسنہ'' بنائی ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک بیس سال

کے طویل عرصہ میں اختلاف ختم نہ ہوسکا۔

حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اپنے موقف پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد ۱۹۸۵ء میں مولانا محمد طاہر پنج پیری اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا اتحاد ہوا۔

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کے اختلاف اور اپنے خلاف پروپیگنڈہ کو تو برداشت کیا مگر حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق اور ادب پر آنچ نہ آنے دی۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق محض ان کی ذات سے نہ تھا بلکہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اکابر اہل السنّت والجماعت علمائے دیوبند قدس سرھم کے جس مسلک حقہ اور جادہ اعتدال کے داعی تھے اس کا دفاع تھا۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اور اس تعلق پر انہوں نے اپنے ساتھیوں کا کیا پروپیگنڈہ برداشت کیا۔ اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے تاکہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے اعتدال اور اکابر سے تعلق کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پر مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پرانے شاگرد اور معتمد مولانا محمد اسحاق، ویسہ اٹک کا ایک خط جو مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام ہے، پیش خدمت ہے۔ یہ خط ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا محمد اسحاق، ویسہ اٹک کو میاں محمد الیاس صاحب نے مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب کی سوانح میں دار القرآن پنج پیر کے ممتاز فضلاء میں لکھا ہے۔

خط مولانا محمد اسحاق صاحب ویسہ اٹک بنام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت شریف حضرت محترم المقام رئیس الموحدین مقدم المشائخ جناب شاہ صاحب زاد اللہ فضلکم ودام اللہ اقبالکم وطال اللہ حیاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امابعد بصد ادب گزارش ہے کہ میں ایک طالب علم ہوں اور آپ جیسے اکابر اور متبع سنت ومستقیم علیٰ صراط مستقیم کے خاک پا ہوں۔ اور کافی عرصہ سے آنجناب کی خدمت اقدس میں چند گزارشات عرض کرنے کا متمنی ہوں مگر بوجہ تساہل کچھ قدر تعجیل نہ ہو سکی۔ لہذا

اب جو بھی میرے فکر خام وعقل ناقص سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، آپ اس کو تعمق کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں اور بعد میں صحیح مشورہ سے مستفید فرما کر مشکور فرماویں۔

اولاً تو یاددہانی کرانا چاہتا ہوں کہ آنجناب نے ۱۳۸۵ھ رمضان المعظم کے اواخر میں ضلع مردان موضع پنج پیر میں بتقریب ختم تفسیر قرآن مجید تشریف آوری فرمائی تھی اور مختصر مگر مدلل وعظ سے بھی تشنگان توحید وسنت کو سیراب فرمایا تھا اور جناب شیخ القرآن دامت برکاتہم سے تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے ایک عظیم الشان رائے کا اظہار بھی فرمایا تھا کہ ان حضرات کی اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب دام اللہ فضلہم اور جناب شیخ الحدیث غورغشتوی صاحب کے درمیان صلح کرنی۔ جناب! میں اس رائے کو سن کر خوشی سے پھولا نہ سمایا اور حضرت کے حق میں تہہ دل سے دعا کی کہ اللہ رب العزت آپ کو اس چیز کی توفیق بخشیں اور جزائے خیر نصیب فرمائے۔

جناب! یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ یہ تو دین محمدی اور جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے مشن کو عروج دے کر افق اعلیٰ پر لے جانا تھا! مگر نہ معلوم کن ذرائع سے ابھی تک پایہ تکمیل تک نہ پہنچا۔ اس کام کی جتنی ضرورت ہے وہ ہم طلباء کو معلوم ہے۔ کیونکہ بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو کہ خاص طلباء کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور ان حالات کو اساتذہ کرام وعلماء مشائخ نہیں بوجھتے۔

جناب اگر یہ کام آپ اس وقت ہی کرتے تو آج ملک کے گوشے گوشے میں وہ فسادات اور خطرناک حالات جو ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں، نہ نظر آتے۔ خدا جانے یہ معاملہ کہاں تک چلا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جو فتویٰ حضرت شیخ القرآن کے خلاف دیا ۱۳۸۶ھ میں، اس کے وہ دل سوز نتائج حضرت پر اور ان کے ساتھیوں پر بعض علاقوں میں مثلاً سوات، دیر، باجوڑ، کابل، کوئٹہ، کوہستان، الائی، نورستان، مھمند، قندھار وغیر ذالک میں مظالم کی وہ بوچھاڑ کہ جن کا میں تذکرہ کروں تو مجھے خون کی آنکھوں رونا پڑتا ہے۔

جناب! یہ تو میں نے ان طلبہ کا ذکر کیا جو باہر علاقوں سے آکر حضرت شیخ سے مستفید ہوتے ہیں۔ بلکہ پشاور اور مردان کے حالات سے بھی پہلے تو آپ خود واقف بھی ہوں گے۔ اگر نہیں تو میں مشتے نمونہ از خروارے عرض کر دیتا ہوں۔ ضلع مردان کے جمعیت علماء اسلام کے امیر سیّد گل بادشاہ نے حضرت شیخ الحدیث کے فتوے کو اخبار ترجمان اسلام میں بھی شائع کیا کئی بار اور یہاں تک لکھ مارا کہ عدالتوں میں ملاں پنج پیر کے ساتھی مرزائی ہوتے ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر حضرت شیخ

اوراس کے ہمنوا مرزائی ہوئے (معاذ اللہ)۔

جناب! اگر یہ اختلاف رفع نہ ہوا تو یہ بھی وہ شکل اختیار کرے گا جو کہ مسئلہ حیات الانبیاء نے اختیار کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرے کا حامل بنے گا۔ بلکہ اگر میں راست لکھوں تو آج ہمارے طلبہ میں بھی جماعتیں بنتی جارہی ہیں۔ یہ غلام خانی ہے اور یہ پنج پیری ہے۔ لہذا آنجناب کو عرض کیا جاتا ہے کہ آپ نے جس کوشش وجدوجہد کو پہلے[1] سے ایک دفعہ برداشت کرنے کا تہیہ کیا تھا، اس کو سرانجام کرنے میں ایڑی چوٹی کی کوشش کرو اور دین محمدی کو تقویت پہنچاؤ۔ جناب! یہ انشاء اللہ دین کا ایک عظیم الشان کام ہے وفقکم اللہ لھذا۔

دیگر ہم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے اس رویے اور تلخی وشدت کی طرف حیران ہیں کہ وہ مولانا محمد طاہر صاحب کے بارہ میں روا رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت میں سرشار ہیں۔ ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن مولانا جو کام دیہاتوں میں توحید وسنت کا سرانجام دے رہے ہیں، وہ ہم طلبہ کو معلوم ہے اور آنجناب نے بھی ۱۳۸۵ھ میں ایک جھلک دیکھی ہے اور آئندہ بھی آپ کے اخلاق مکرمانہ اور متبع سنت ہونے سے توقع ہے کہ مدعو ہونے پر اس علاقہ کے طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لے جایا کروگے۔ جناب! پنجاب میں ہمارا کون ہے آپ کے سوا۔ جناب! مولانا غورغشتوی کا فتوی آپ نے کئی بار دیکھا بھی ہوگا (اگر نہیں دیکھا، وہ بزبان پشتو ہے، عندالطلب ارسال کردیں گے) جو کہ پیر دیول کے ایک خلیفہ نے ان حضرات سے حاصل کیا، جن میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کی تحقیر کی ہے۔[1] اس فتوی کے جواب میں مولانا صاحب نے ''الانتصار لسنۃ سیّد الابرار'' تالیف کیا۔ اس میں حضرت شیخ الحدیث کے نام ایک خط بھی لکھا۔ اگر آپ نے نہ دیکھا ہو تو وہ بھی بھیج دیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ فتوی مولانا غورغشتوی کا نہیں۔ ہم اس فتوی کو لے کر حضرت شیخ الحدیث کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی۔ وہ بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔

۱۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے نہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بدعت کے جواز کا فتوی دیا اور نہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بدعات کی تائید کرنے والے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ فقہائے احناف کے بیان کردہ شرائط کے مطابق بعض معمولات کا حکم بیان کرتے تھے ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' پنج پیر کو شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے استاذ حدیث بھی تھے سے دشمنی صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ ان کے تشدد اور تفرد کی تائید نہ فرماتے تھے اور ان کی من مرضی کی تفسیر کو تحریف قرار دیتے تھے۔ (احقر مرتب)

ہم اس پر بھی حیران ہیں کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب شیخ الحدیث صاحب کا ہر وقت ساتھ دیتے ہیں اور ان کے خلاف ایک حرف تک گوارا نہیں کرسکتے۔ حالانکہ ہم کو معلوم نہیں یا یہ مسائل بدعات نہیں؟ یا اگر ہیں تو پھر انکی تردید نہ کرنا چہ معنی دارد؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج علاقہ چھچھ میں حضرت شیخ الحدیث کو استدلال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ ہمارے گاؤں ویسہ کاملپور میں ایک جنازہ کے موقع پر دریہ والے پیر کے لڑکے نے شور وغل مچایا کہ دعا بعد الجنازہ ہے اور حیلہ اسقاط ہے، حضرت شیخ الحدیث نے کہا ہے جو یہ نہیں مانتا وہ فلاں فلاں ہے، اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بھی شیخ الحدیث کو اپنا شیخ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اس کی تردید کی۔ چاہیے تھا کہ جناب شیخ القرآن صاحب پہلے اس فتوی کی شیخ الحدیث سے تردید کرواتے ورنہ خود اس کے خلاف آواز بلند فرماتے۔ بلکہ الٹا حضرت نے موضع زرتوپہ میں شیخ الحدیث کی تائید کی اور جو لوگ ان کے خلاف ذہن رکھتے تھے اور سنت کے متبع تھے، ان کے خلاف بہت کچھ کہا۔ اب وہی آنجناب کی بات ہے کہ آپ نے بھی مولوی محمد معصوم المعروف کابل ملاں کو موضع زرتوپہ کے لئے تاریخ صرف اس وجہ سے نہ دی کہ وہ شیخ الحدیث کے مخالف ہیں۔

شاہ جی! نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ ہمیں پنجاب کی جانب سے یتیم نہ کر فرماویں۔ خدا کی خاطر سنت کا دامن ڈھیلا نہ ہونے دیں۔ کوئی اگر خفا ہو تو ہو پیغمبر خدا ناراض نہ ہوں۔ اور ہم تو آپ کو سمجھتے بھی وہ ہیں کہ کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ اگر کوئی چندہ کی غرض سے بات گول کرجاتا ہے تو آنجناب کو تو اس سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔ آج اگر مولانا محمد طاہر پر محرف القرآن کا فتوی لگتا ہے اور آپ خاموش ہیں تو آخر کہاں سے حق کی تائید فرماؤ گے۔ واللہ ہم تو چاہتے ہیں کہ سب حضرت رئیس المفسرین واں بھچراں والے کے تلامذہ ایک جگہ مل کر کام کریں تو مخالفین کی کیا جرأت ہے۔ مگر افسوس آج حضرت کے شاگرد دور دور ہو چکے ہیں۔ اگر سرگودھے والے، میانوالی والے، پنڈی والے، پنج پیر والے مل کر کام کرتے تو بریلیوں کو اور اور مخالفین کو کچل دیا جاتا۔ مگر کیا کریں (انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ) اگر آپ کچھ کریں تو کرسکتے ہیں۔

جناب! مولانا غورغشتوی کا فتویٰ اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاس میں بھی پیش کیا گیا اور مولانا کی تردید کی گئی۔ اور پھر اس کے فروخت کرنے کے لئے اسٹیج پر اعلان کیا گیا۔ اور وہ پمفلٹ کی شکل میں بنام "فتویٰ نصیریہ" اور مولوی گل بادشاہ[1] نے مولانا شمس الحق افغانی[2] کے فتویٰ کو جو بدعات سے بھرپور ہے، اس کو شائع کیا اور مولانا کو اس میں کثرت سے بکواسات نکالے۔ انشاء اللہ وہ دونوں آپ کو ارسال کردوں گا۔

جناب والا! ہم کو تو امید تھی کہ ہم آپ سے شیخ الحدیث کے فتویٰ کی تردید کرائیں گے مگر آپ بھی اس کے حامی ہیں۔ ضلع مردان میں تو کوئی بریلوی دیوبندی جھگڑا نہیں، جو مشرکین و مبتدعین ہیں ان کا سربراہ مولانا شاہ منصور والے ہیں۔[3] اور وہ چنڈی میں بھی افتتاح کبھی اختتام

۱۔ صحیح نام مولانا سید بادشاہ گل رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔
کسی بدعت کی تائید انہوں نے نہیں کی البتہ وہ علمائے پنج پیر کے تشدد کی مخالفت کرتے تھے۔ (احقر مرتب)

۲۔ حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر اور حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نہ بدعات میں ملوث تھے اور نہ کبھی کسی بدعت کی تائید فرمائی۔ مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب کے تشدد اور تفردات کی تردید کرتے تھے۔ "فتویٰ بہاولپور" کے نام سے آپ کا فتویٰ مطبوعہ ہے جس میں آپ نے اکابر کے اعتدال اور صحیح مسلک کو پیش کیا ہے۔ (احقر مرتب)

۳۔ مولانا عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ منصور، حدیث میں شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور تصوف میں رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، واں بھچراں کے خلیفہ مجاز تھے۔ تمام عمر قرآن و سنت کی خدمت کی نہ کسی بدعت میں ملوث تھے اور نہ ہی بدعات کے مؤید تھے "اشاعۃ التوحید والسنۃ" پنج پیر کے تشدد اور تفردات کے مخالف تھے۔ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا انہیں اپنے دورہ تفسیر کے افتتاح یا اختتام کے موقع پر باقاعدہ مدعو کرنے سے ان حضرات کے باہمی تعلق نیز حضرت مولانا عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت شیخ القرآن کا ادب و احترام بھی واضح ہوتا ہے۔ (احقر مرتب)

پر بھی بلایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے حقانیہ کے جلسہ عام میں مولانا کی مخالفت کی اور کہا کہ غورغشتوی نے فرمایا ہے کہ ملاں پنج پیر سے قرآن نہ پڑھو محرف قرآن ہے۔

میں کیا لکھوں کوئی ایک بات تو نہیں۔ آپ براہ کرم ان کے درمیان صلح کی کوشش فرمادیں اور اگر آپ نے یہ نیک ارادہ کیا تو مقبولیت آپ کے قدم بوسی کرے گی۔ فقط والسلام

میری ان باتوں پر غور فرما کر مجھے صحیح مشورہ دیں۔ اور اگر کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو نشاندہی فرمادیں۔

نیازمند محمد اسحاق عفی عنہ۔ مقام ویسہ، مسجد خاناں' ڈاکخانہ کامل پور موسیٰ' براستہ حضرو، ضلع کیمبلپور

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف سے جواب

عزیز مکرم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے پیر دیول کے خلیفہ نے بدعات مروجہ کے بارے جو فتویٰ حاصل کیا وہ غلط ہے۔ اور حضرت مولانا محمد طاہر صاحب توحید و سنت کے مخلص خادم ہیں۔ بندہ نے کوشش کی تھی لیکن صلح میں ناکام رہا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ طالب الدعا۔ عنایت اللہ، گجرات

مولانا محمد اسحاق ویسہ' اٹک فاضل پنج پیر کے مندرجہ بالا خط سے درج ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا۔

۲۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ فرماتے تھے۔

۳۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بدعات میں ملوث نہ قرار دیتے تھے۔

۴۔ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فتویٰ کی تائید میں علاقہ چھچھ، اٹک میں باقاعدہ تقریریں کرتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کی اپنی تقریروں میں برملا سرزنش کرتے تھے۔

۵۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الحدیث غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شیخ سمجھتے تھے۔

۶۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا جب کہ ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کا متشدد طبقہ حضرت شیخ الحدیث غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت ہی کرتا رہا۔

۷۔ مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اپنے ہی شیخ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں، میانوالی) کے خلفاء کی مخالفت کرتے رہے۔

۸۔ مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے جن اکابر کو بدعتی قرار دے کر ان کے خلاف کام کیا شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان اکابر کا ساتھ دیا اور دفاع فرمایا۔

۹۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کی متشددانہ پالیسی میں بھی ان کا ساتھ نہ دیا بلکہ مخالفت فرمائی۔

۱۰۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جامعہ دار العلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک نے حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ دیا متشددین کا ساتھ نہیں دیا۔

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کا اعتدال اپنے اکابر سے تعلق اور ان کا ادب واحترام شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور مولانا بندیالوی کے لئے دعوت فکر ہے کہ وہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا حق ادا کر رہے ہیں یا متشددین کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کو ان متشددین کی طرح پیش کر کے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سے بے وفائی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں؟

مولانا بندیالوی کی خدمت میں آخری گزارش

مولانا بندیالوی صاحب اپنے پیش رو مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کے اتباع میں انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر الشریف، توسل اور استشفاع سے انکار کی روش کو ایک تحریک کی صورت میں چلانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اس انکار کو حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''مسلک شیخ القرآن'' میں جو ڈرامہ بازی کی ہے، اس کی حقیقت اب الحمدللہ سامنے آچکی ہے۔ شیخ القرآنؒ کا

عقیدہ ہم نے شیخ القرآنؒ کے تلامذہ کے حوالے سے بھی بیان کر دیا ہے۔ اس لیے مولانا بندیالوی اور ان کی پارٹی کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر آپ رضائے مولیٰ کے طالب ہیں تو رضائے مولا، حق کے اتباع میں ہے۔ جھوٹ اور بہتان سے تو رب تعالیٰ کی مدد اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے اکابر علماء دیوبند قدس سرہم کے اتباع میں ''المہند علی المفند'' کے عقائد کو تسلیم کر لیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ تک علمائے حق پر اعتماد اور ان حضرات کا اتباع کر لیں، ورنہ اپنا راستہ حضرات اکابر سے جدا سمجھیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین. مولانا و حبیبنا محمد و علی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین. آمین

دارالعلوم دیوبند کا اعلانِ حق

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں، آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمارے کان ایسے نہیں کہ ہم سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی تعلق بجسدہٖ و روحہٖ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳/ ۵/ ۷۶ھ

- الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، لاہور۔ ۲۱ر شوال ۱۳۷۶ھ
- اجاب المجیب و اجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ، مدرس جامعہ اشرفیہ، لاہور
- الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
- الجواب صحیح ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

(بحوالہ تسکین الصدور، طبع دوم، ص ۴۱، ۴۴)

❀❀❀

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بانی دارالعلوم کراچی، ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

''پیش امام کا یہی عقیدہ ہے... (کہ عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے جسدِ عنصری اس میں شامل نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عند القبر سماع ثابت نہیں) تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جب تک وہ اپنے اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے''۔

(ہدایۃ الحیران طبع جدید ص ۸۸)